

فکر و نشاط

جوش (سیلچ آباد)

ناشر

کتاب خانہ رشیدیہ دہلی

۱۹۳۹ء

بار دوم

مجلد نمبر

فہرست مضامین

۳۴	۲۰ خطِ رفتار	۳	۱ شمع فروزاں
۳۶	۲۱ بازیِ غیب	۵	۲ سعیِ لا حاصل
۳۷	۲۲ جناح	۶	۳ موسیقی کا جزیرہ
۳۸	۲۳ دُوری	۷	۴ نقاد
۳۹	۲۴ شاعر اور لیڈر	۱۱	۵ پیش کش
۴۰	۲۵ فنونِ آرزو	۱۲	۶ رقص
۴۱	۲۶ کون ہے؟	۱۴	۷ مجنون
۴۲	۲۷ شاعر کا دل	۱۵	۸ قریبِ نظر
۴۳	۲۸ معذرت	۱۶	۹ داغِ جگر جیتا ہوں
"	۲۹ فرشتے کی سیر	۱۸	۱۰ فریستی
۴۶	۳۰ دنیا اور شاعر	۱۹	۱۱ ہستیِ بیتاب
۴۸	۳۱ سہاگن بیو	۲۱	۱۲ بھٹی ہوئی نیکی
۵۵	۳۲ زندگی کا تہقہ	۲۳	۱۳ مشاہدات
"	۳۳ پیرِ رزمِ دل	۲۵	۱۴ بارگاہِ شعر
۵۶	۳۴ عالم اور شاعر	۲۶	۱۵ ہم لوگ
۵۹	۳۵ پُر اسرار صدا	۲۸	۱۶ تحفہ
۶۰	۳۶ دیہِ وری	۲۹	۱۷ آوازِ شاعر
۶۱	۳۷ شکستِ غم	۳۱	۱۸ سوزِ تامل
۶۲	۳۸ پیماہِ اندہِ بد دعا	۳۳	۱۹ تحسین کے پھول

۷۹	۶۱	پامالی	۶۳	۳۹	ناقابلِ فہم
۸۰	۶۲	خونی بینڈ	۶۴	۴۰	گلابی نور
۸۱	۶۳	اب تک	۶۵	۴۱	حیوان
۸۱	۶۴	بادشاہ کا جنازہ	۶۵	۴۲	لذتِ گریم
۸۲	۶۵	جفا کے دوست	۶۶	۴۳	خلفشار
۸۳	۶۶	انکشافِ فطرت	۶۷	۴۴	موتی یا شبنم
۸۳	۶۷	ضبطِ گریم	۶۷	۴۵	جوانی کا بسترِ مرگ
۸۴	۶۸	راہِ تلاش	۶۸	۴۶	ظلمتیں
۸۴	۶۹	آبِ گینہ	۶۹	۴۷	روشِ نیاں
۸۵	۷۰	چراغِ عظمت	۷۰	۴۸	اضطراب
۸۶	۷۱	یاد کرنا	۷۰	۴۹	موت کا پھر برا
۸۸	۷۲	ہوشیار	۷۱	۵۰	آگاہوں کی دہک
۹۰	۷۳	شیطانِ زہد	۷۳	۵۱	مرگ و موسیقی
۹۱	۷۴	پندارِ عبادت	۷۴	۵۲	امیرِ منکبر سے
۹۳	۷۵	مولوی	۷۵	۵۳	بیکاری
۹۴	۷۶	خانقاہ	۷۵	۵۴	خامی
۹۶	۷۷	شیخ کی مناجات	۷۶	۵۵	دعا
۹۹	۷۸	غزل گوئی	۷۶	۵۶	عید ملنے والے
۱۰۱	۷۹	خاتونِ مشرق	۷۷	۵۷	غمگین صدا
۱۰۷	۸۰	خاتونِ مغرب	۷۸	۵۸	مقدس رات
۱۱۰	۸۱	بلوغِ حیات	۷۸	۵۹	اذان
۱۱۴	۸۲	سونے کی تلوار	۷۹	۶۰	کش مکش

گماں مبر کہ بیاں رسید کارمغاں
ہزار بادۂ ناخوردہ در رگتِ تاکست
(اقبال)

فکر و نشاطِ مزد

جوشِ ملیح آبادی

ناشر

کتابخانہ رشیدیہ دہلی

دو ہزار

قیمت مجلد نم

طبع دوم

بزییر هر بُنِ موچشمِ روشنیست مرا
بروشنایِ هر ذره روز نیست مرا
(نظایری)

شمع فروزاں

میں لے جوش اس نور میں ہوں وہ شاعر
 حریفوں کے آگے مری شاعری ہے
 مرادل، وہ فیاض خرمن ہے جس سے
 دم فکر دل میں چماتی ہے دھو میں
 مرا شعر اس عصر بے رنگ و بو میں
 مرادل دھڑکتا ہے یوں زیر و بم سے
 مری طبع ہے، تازہ اندیشیوں سے
 مری سادگی میں بھی وہ دکھائی ہے
 شبِ تار میں میری آشفٹہ حالی
 مرے ذہن پر رشتہ ابرِ معنی
 اندھیرے میں جس طرح شمع فروزاں
 کہ ہے پیشِ تورات و انجیل، قرآن
 چمن ریز ہے دامنِ خوشہ چیںاں
 تمنائے بیداری نوحِ انساں
 پس تیرگی جلولہ آبِ حیواں
 جھپکتی ہے جس طرح مرگاہِ نورِ اں
 شکفتہ تر از خندہ نازنیناں
 شبِ ماہ میں جس طرح خواہِ طہلاں
 دم صبح گویا خیم زلفِ جاناں
 جوانی کے ماتھے پہ جس طرح افشاں

مری بارش فکرِ رنگیں کی رو میں	مُنقشِ تنک زنگی ہم نشیناں
بساطِ ادب پر مری طبعِ رنگیں	سُرخِ شاخ جس طرح مرغِ خوش الحان
مری چٹم ترپیں تمتا کی ہل چل	سُرخِ آب جس طرح موجِ چراغاں
خراماں ہو دل میں مے رُوحِ حُشت	بہ اندازِ دوشیزگانِ بیسا باں
مری رُوح پر عکسِ تحسینِ رنگیں	جہیں پر ہو جس طرح زلفِ پریشاں
مرے دل میں عہدِ تنہا کی راتیں	گھنے باغ میں جس طرح برقِ باراں

مراد دل ہے اے جوشِ دعاؤں کی ضو سے

”برشتہ تر از حسنِ صحرا نشیناں“

سعی لاجاصل

اے جوشِ تیغیوں میں پُرافشاں ہوئے تو کیا
 هندوستان غلام ہے، گونگ ہے، سر دے
 اک دوسوہ جو قوم ہو خودنی صد ویرنا س
 جس چرخِ تیرہ پر ہو سیہ ابر کا، هجوم
 جو سر زمین شور ہو محروم رنگ و بو
 موجوں نے جس کی توڑ دیا ہو صدف کا دل
 جس گلستاں میں ایک ہے، کانٹا ہو یا گلاب
 ہم وزن و ہم گہر ہوں جہاں نراغ و غنایب
 جس تیرگی میں ہو نہ سکندر نہ رُوحِ فخر
 نیلے نہ صحنِ خانہ سے باہر جہاں نظرِ سر
 اندھوں سے جب پڑا ہے زمانہ میں سائبہ

بہروں کی انجن میں غزل خواں ہوئے تو کیا
 سندوستان میں آپ سخرِ داں ہوئے تو کیا
 اس دوسوے میں جذبہ ایساں ہوئے تو کیا
 اس چرخِ تیرہ پر مہِ تاباں ہوئے تو کیا
 اُس سرزمین پہ ابرِ خدماں ہوئے تو کیا
 اُس جوئے عم میں قطرہ نیاں ہوئے تو کیا
 اُس گلستاں میں سُنبلِ فریجاں ہوئے تو کیا
 اُس گلستاں میں مرغِ خوش الحان ہوئے تو کیا
 اس تیرگی میں چشمہ حیاں ہوئے تو کیا
 واں آپ کائنات بہ داماں ہوئے تو کیا
 اے جوشِ آپ یوسفِ کنعاں ہوئے تو کیا

موسیقی کا جزیرہ

کائناتی ہیں انگلیاں مُطرب کی مجستاؤں
 عشق کا جب نبض آہن میں چلتا ہی رہو
 نغمہ شیریں کا جب گرتا ہے رنگیں آہن
 درد سے کھاتی ہیں جب صبر کی پیچ و تاب
 دل ہی رہتا ہو نظر کو سامنے باقی نہ رات
 لے میں لغو کی طرح جس وقت لہر آتا ہو دل
 نوح ہوتی ہو جہاں اس گمشدہ شو دو چار
 راگنی کی آہ سے جب ہم ہو جاتے ہیں تبا
 لحن کے سانچے میں جب ڈھلتی ہو دل کی آرزو
 دل کو چھو لیتی ہو اک مہم سی باریک حاء
 خود کو اٹھ جاتی ہو جب لائے ماضی کی نقاب
 ساز کے پردوں میں چھپ جاتی ہو ساری کائنات
 اک جنوں پر در جزیرہ میں پہنچ جاتا ہو دل
 جس کے کھو جانے سے میری زندگی بھئی سو گوار

پھر بھی پانے کی طرح اس چیز کو پاتا نہیں
 شکل سے پہچانتا ہوں، نام یاد آتا نہیں

نقد

رحم اے نقادِ فن! یہ کیا ستم کرتا ہے تو
 شاعری اور نطقی بحثیں، یہ کیا قتلِ عام
 کیوں اٹھا ہو جنسِ شاعر کے پر کھنے کیلئے؟
 اے ادبِ آشنا! یہ بھی نہیں تجھ کو خیال
 منطقی کانٹے پہ رکھتا ہے کلامِ دلپذیر
 کوئی نوکِ خار سی چھو تا ہی نبضِ رنگِ دلو
 بُرشِ مقرر اصرار کا دیتا ہے زلفوں کو پیام
 کیا شمیمِ سنبل و نسریں ہو چکھنے کے لئے؟
 ننگ ہے بزمِ سخن میں مدے کی قبلِ قال
 کاش اس نکتہ کو سمجھے تیری طبعِ حرفِ گیر
 یعنی اکٹے سے لبِ ناف کو کھلنا چاہئے
 پنکھڑی پر قطرہٴ شبِ ہم کو ٹلنا چاہئے

شعرِ فنی کیلئے، میں جو شرائط بے خبر
 جلتے دیکھا ہو کبھی ہستی کو دل کا تونے داغ؟
 دل کے اپنے پوچھو اور زندانیِ علمِ کتاب!
 تو پتا اسرارِ ہستی کا لگاتا ہے کبھی؟
 سوچ، تو پورا اترتا بھی ہر اس معیار پر؟
 آج سے جسکی غذا پاتا ہو شاعر کا دماغ؟
 حُسنِ قدرت کو بھی دیکھا ہو برافندہٴ نقاس؟
 عالمِ محسوس سے باہر بھی جاتا ہے کبھی؟

کیا وہاں بھی اڑکھینچا ہے کبھی اونکھ چیں؟
 عاشقی کی نغمہ ریزی پر بھی سر دھنتا ہے تو؟
 اُن بتوں کی بزم میں تو بھی ہوا ہر بار یا ہے؟
 جو تہم چھین لیتے ہیں شبِ ہمتا سے
 سچ بتا تو بھی ہے کیا اے کشتہ صدر ص آرز
 تیری بنضول میں بھی چلی ہو کبھی کبھی کی رو؟
 سچ بتا اے عاشقِ دیرینہ فکرِ معاش!
 مجھ سے آنکھیں تو ملا اے دشمنِ سوز و گداز!
 تیری راتوں کی سیاہی میں بھی ہو ظلمتِ آب
 تو کیا بھی ہے نگارِ غم کی محل کے قریب؟
 طورِ معنی پر بھی لے نا فہم چڑھ سکتا ہے تو؟
 کیا پتا ہے جس فضا میں شہرِ روح الامین!
 قلبِ فطرت کے دھڑکن کی صدا سنتا ہے تو؟
 خاک کو پر چھائیاں جن کی بنائی ہیں گلاب
 جن کی برنائی جگاتی ہے دلوں کو خواب سے
 راز و ان کا کلِ شیرنگ و چشمِ نیم باز!
 سوزِ غم سے تیرا دل بھی کیا کبھی تیار ہو؟
 زہر میں تریاق کے عنصر کی بھی کی ہو تلاشی
 تجھ پہ کیا اصدا کی توحید کا افشا ہے راز؟
 کیا کبھی طالع ہو اے مسکرا کر آفتاب؟
 آسِ خمی محسوس ہوتی ہو کبھی دل کے قریب؟
 کیا مصنف کی کتاب ل بھی پڑھ سکتا ہو تو؟

یہ نہیں تو پھیر لے آنکھیں یہ جلوہ اور ہے

تیری دُنیا اور ہے، شاعر کی دُنیا اور ہے

خود زبانِ شعر سے اشعر کی تفسیر سن
 نطق پر بوندیں چمک ٹپتی ہیں کچھ بے اختیار

شعر کی تحلیل سے پہلے مری تقریر سن
 دل میں جب شاعر کی ہوتی ہر بارشِ بیشمار

ڈھال لیتی ہر جنمیں شاعر کی ترکیبِ ادب
ٹھہل کے گوہ "گوہرِ غلطان" کا پاتی ہیں لقب
اور ہوتی ہیں تجلی بخش تلج زرفشاں
پھر بھی وہ شاعر کی نظر و نمیں ہیں خالی سپیلاں

جن کے اسرارِ درخشاں روح کی محفل میں ہیں

سپیاں ہیں نطق کی موجوں پہ مونی دل میں ہیں

شاعری کا قاناں ہیں نطق کا ٹوٹا ہوا
اُس کا شیشہ ہوزباں کی ٹھیس سے ٹوٹا ہوا
چھائے کہتے ہیں جو شاعر کے دل سرشار
ٹوٹ کر آتے ہیں وہ نغمے لبِ گفتار پر
جاگتے رہتے ہیں دل کی محفلِ خاموش میں
بند کر لیتے ہیں آنکھیں نطق کا آغوش میں
لوگ جن کی جا بگدازی سے دل کچڑی ہوئے
کھوکھے نغمے ہیں وہ اوزان میں جکڑی ہوئے
شعر ہو جاتا ہو صرف اک جنبشِ لبِ مدحِ حال
سانس کی گرمی سے پڑ جاتا ہو اشعار میں بال
جام میں آتے ہی اڑ جاتی ہو شاعر کی شراب
ٹوٹ جاتا ہو کناں سے آتے ملتے یہ جباب

اس سے بڑھ کر اور ہو سکتی ہو کیا حیرت کی بات

"شعر کو سمجھا اگر شاعر کی تو نے کائنات

"شعر کیا جذبوں کا ایک نقشِ نامتوام
مشتبہ سا اک اشارہ" ایک مبہم سا کلام
کیف میں اک لغزشِ پاگلک گوہرِ بار کی
"ہنظراری ایک جنبش سی" لبِ گفتار کی
"ایک صوتِ خستہ و موہوم سازِ ذوق کی"
"لغزش سی ایک آواز" اتہائِ شوق کی

”بے حقیقت“ کے اندر ”زمر مرادو“ کا
 ”شعر“ کیا؟ عقل جنوں کی شکر بنیم جمال
 ”ظلمتِ ابہام میں پرچھائیں تفصیلات کی“
 ”جوئے قدرت کی روانی و شبتِ مصنوعیات میں“
 ”شعر“ کیا؟ کچھ سوچنا دل میں بہرِ لُحْن و توشیں
 ”شعر“ کیا؟ نیم بیداری میں بہنا موج کا
 ”ترزبانی اور خاموشی کی مبہم گفتگو“
 ”بادلوں سے ماہِ نو کی اک لچٹی سی ضیہا“
 ”عارضِ محدود“ پر اک عکسِ لامحدود کا
 ”شعر“ کیا؟ عشق و حکمت کا مقامِ اتصال
 ”بیچ و خم کھاتے جو لوہے چکنے رات کی“
 ”ٹوٹنا زنجیں ستارہ کا اندھیری رات میں“
 ”شعر“ کیا؟ ہر چیز کہکھ، کچھ نہ کہنے کا یقین
 ”برگِ گل پر نیند میں شبنم کے گرنے کی صدا“
 ”لفظِ معنی میں توازن کی ہفتہ آرزو“
 ”جھاکننا قطرہ کے روزن سرِ عروسِ بحر کا“

مر کے بھی تو شاعری کا بھید پاسکتا نہیں
 عقل میں، یہ سئلہ نازک ہے، آسکتا نہیں
 تو سمجھتا تھا، جو کہنا چاہئے تھا، کہہ گیا
 پوچھ شاعر سے، کہ وہ کیا کہہ سکا، کیا رہ گیا
 کون سمجھے ”شعر“؟ یہ کیسے ہیں اور کیسے نہیں
 دل سمجھتا ہے کہ جیسے دل میں تھوڑے نہیں

پیشکش

اے صبحِ بے عروسِ دلاویزِ عشوہ کام رنگیں مزاج و زہرہ جبین و فلک مقام
شیریں لبِ شکفتہ و گلرنگ و لالہ فام لے اپنے کمر تین پرستار کا سلام

قربان تیرے خندہ گوہرِ برشت کے
دل میں کھلے ہوئے ہیں دریکے بہشت کے

تو نے ہر خیال کو زانو عطا کیا دھوئے جو دل سے غم کو وہ انسوعطا کیا
دی فکر اور فکر پہ قابو عطا کیا پہلو کو دل زبان کو جادو عطا کیا

تو نے خموشیوں کو ترانہ بنا دیا
ہر جنبشِ نظر کو فسانہ بنا دیا

سینے میں ولولوں کا تلاطم بھتی ہے خاموشیوں میں شانِ تکلم بھتی ہے
موجِ نفس میں سوزِ ترقم بھتی ہے تخیل کے لبوں پہ تبسم بھتی ہے

کیا بات تیرے زمزمہ بے عدیل کی
کانوں میں آرہی ہے صدا جب ٹیل کی

ہر چند دل شکن ہے زمانہ کی دار و گیر
پھر بھی حکمِ ذوق وہ اندیشہِ ضمیر
شاعر تری جناب میں اے حسن بے نظیر
حاضر ہوا ہے لے کے پھر اک تحفہِ حقیر
فیضِ نگاہِ ناز سے کانٹے کو پھول کر
لے تاجدارِ حق! اسے بھی قبول کر

رقص

ہاں اٹھالے رُوحِ موسیقی ربانے فشاں
رقص کی تشریح پر آئل ہے شاعر کی زباں

رقص کیا ہے؟ خاک کے دل میں خروشِ کائنات
جلوۂ محدود کے دل میں بہ ایمائے شباب
چاندنی میں جوئے شیریں جیسے کھم کھم کر ہے
عقلِ صورت میں لیلائے معانی کا بناؤ
خون میں لہروں پہ لہریں لجن بے آواز کی
پیکرِ فانی میں گرم ناز، لافانی حیاسات
حسنِ لاحدود بن جائے کاشیریں پیچ و تاب
آنکھوں کی شعر گوئی، ساعدوں کے زمزمے
چشمکِ بیباک میں سیالِ غنموں کا بہاؤ
لغزشوں پر لغزشیں مشقِ خدامِ ناز کی

خیر سمجھا دوں، ذرا لانا تو مینائے شراب
 رقص اس موقع پہ چہرہ سے اُلتا ہے نقاب
 جب صبا کی سننا ہٹ اور ساغر کی لکھنگ
 قامتِ موزوں میں بن جاتی ہے ہلکی سی لچک

رقص ہے دراصل برنائی کا لحن بے خروش
 جنبشِ مژگاں کی رنگیں، مست، شیریں استاں
 معنی بے لفظ کی شرحِ دل آویز و خوش
 خون کی گردش میں رہ رہ کر برنگِ زبرد و بم
 جوئے طوفاں خیز کے سانچے میں ٹھلنے کی اُنگ
 دستِ نپا کے لوچ میں اُس حرفِ مبہم کا ظہور
 خال و خد کی نغمہ یزی، ابروؤں کی گفتگو
 جذبہٴ بیدار کا پالا ہوا خوابِ گراں
 ایک ایسا ساز، مابینِ یقین و اشتباہ

جنبشِ نازک میں تمنائے ہم آغوشی کا جوش
 عشوہٴ ترکانہ کی سحر آفیں اُٹھڑائیاں
 جرأتِ پنہاں کی بیستابی، تمنا کا خروش
 حوصلوں کی بیقراری، ولولوں کا پیچ و خم
 بھنج کے آغوشِ تمنا میں مچلنے کی اُنگ
 نطق کی پرواز سے ہے آشیانہ جس کا دور
 نرگسِ مجبور میں طغیانِ شرحِ آرزو
 جنبشِ مژگاں کی گویائی اشاروں کی زباں
 پاسکے جس کو نہ کان اور سن سکے جس کو نگاہ

جوشِ اس خاموش ہو پیمانہ بھرنے دے مجھے
 جھوم کر بربط اٹھا اور رقص کرنے دے مجھے

مجنون

سَر دِیشانی پہ ہلکا سا ہوا اک برسِ سیاہ
 کیا خبر، اس کے دماغِ مضطرب میں لٹ کر
 ہر نفسِ رہتے ہیں بیداری پر اُگی بے نقاب
 اس کے ابر آلود خالِ خد میں ہتی ہیں رداں
 کتنے معنی حیرتِ الفاظ میں ڈوبے ہوئے
 اس کے سینے میں ہیں، جیسو راگنی کے زیرِ دم
 حسرتیں اُگی ہیں مَر جھائی ہوئی کھلتی ہوئی
 روحِ اُگی کا ہشِ بہیم کی ٹھکانی ہوئی
 شورِ شوں کے باوجود اکولنے دن ہو کہ رات
 اس کا اندازِ تنفس، اس کا طرزِ قال و قیل
 کا مزن ہے یوں ٹھٹھکتا، سوچتا، گاتا ہوا
 اُگی نظروں میں ہر یوں شمشیرِ وحشتِ بے نیام

ڈالے مجنون کے چہرہ پہ اک گہری نگاہ
 ہو چکی ہیں کس قدر باریکیاں باریک تر!
 کس قدر اُلجھے ہوئے ناقابلِ تعبیر خواب!
 کتنے نامعلوم مہم و موسوں کے کارواں!
 جھانکتے رہتے ہیں اس کے دینِ بیخواب!
 کتنی تم اُگیز خوشیاں، کتنے دل آویز غم!
 صبح گرما کے پریشاں ابر سے ملتی ہوئی
 پُرِ فشاں ہے مشتعل آنکھوں میں گھبراہٹی ہوئی
 ایک لاکھ دوسٹائے میں گم ہے کائنات
 چور کی آہٹ سے جیسے چونک اٹھ کوئی بخیل
 مرغِ وحشی جس طرح کھرے میں منڈلاتا ہوا
 جیسے دنیا چاہتا ہو کوئی طوفانِ پیام

کتو پہاں شوق کتے نیم پیدا دل لے
پھر رہے ہیں گردِ سراں ذہن میں بھٹکے ہوئے!
رنگ ہے اس کا کبھی کھلتا، کبھی اڑتا ہوا
دل کسی نادیدہ صحرا کی طرف مڑتا ہوا
فکر کو رہ رہ کے مشعل سی دکھاتا ہے کوئی
اسکی آنکھوں میں اشاروں سے بلاتا ہے کوئی

قریبِ نظر

زس پہ وندی ہوئی پڑی ہو، جو دل کا غنچہ کھلا رہی تھی
بتاؤ لے شعلہ خورشعا، یہ رنگ کیا ہو گیا چمن کا؟
نظر اٹھی تو گلاب بیکھا، پلک جو چھپکی تو خسار پایا
صدائیں آئیں کہ پشت سے وہ نسیم فردوس آ رہی ہے
بڑھے پکٹے ہوئے خوشی میں دکھایا دریا جو تشنگی نے
اٹھی جو میداں میں گردِ نیم، اٹھے کہ لیلیٰ کی ہر سواری
اڑا جو پردے کا ایک شہ، نظر پڑا در پہ اُن کا جلوا
اُداس جنگل میں نور دیکھا کہ موجزن ہے قریب دریا
ارے کلی کو یہ ہو گیا کیا؟ ابھی تو یہ مسکرا رہی تھی
ابھی تو یاں بادِ صبح کاھی، انگلوں کو جھولا جھلا رہی تھی
سنا کہ فصلِ گل آ رہی ہو، چمن میں پہنچو تو جا رہی تھی
پلٹ کے دیکھا تو بادِ صحر فضا میں پرچیم اڑا رہی تھی
قریب پہنچے تو ریگِ صحرا شعاعوں سے جگمگا رہی تھی
گئے امیدیں لئے تو دیکھا، ہوا بگولے اڑا رہی تھی
جو گھر سے باہر نکل کے دیکھا، صبا دریچے ہلا رہی تھی
بڑھے تو اک نوجوان بیوہ چتا کی سرخی بڑھا رہی تھی

نظر نے دیکھا کہ شوخ نسلی فضا میں پرواز کر رہی ہے
 نگہ جانی تو زرد پتی ہواؤں میں تھر تھرا رہی تھی
 تجلیوں کے مشاہدہ سے نگاہ اب میری پھس گئی ہے
 نظر نے اتنے دیئے ہیں ہمو کو بصارت آنکھوں سے گز گئی ہے

دراغ جگر بیچتا ہوں

لینو! میں دراغ جگر بیچتا ہوں
 جہاں سنگریزوں پہ گرتے ہیں گاہک
 جہاں قدر داں جمع ہیں تلخوں کے
 جہاں خار و خس کی خریداریاں ہیں
 پرستاریاں ہیں جہاں ٹکسٹوں کی
 جہاں دردِ دل کا مخالف ہے عالم
 جہاں جستجئے سکونِ حشر ہے
 جہاں سات پردہ نہیں رہتی ہر جرأت

بہ نزعِ خرف تاجِ زر بیچتا ہوں
 وہاں جنسِ نعل و گہر بیچتا ہوں
 وہاں قند و شہد و شکر بیچتا ہوں
 وہاں موجِ گلہائے تر بیچتا ہوں
 وہاں نورِ شمس و مہر بیچتا ہوں
 وہاں دردِ دل کا اثر بیچتا ہوں
 وہاں آرزوئے سفر بیچتا ہوں
 وہاں جذبہٴ پردہ و رنج بیچتا ہوں

جہاں پستی بام و در ہے گوارا !
 جہاں ہر کبوتر ہے قانعِ قفس میں
 وہاں رفعتِ بام و در بیچتا ہوں
 جہاں برف و شبنم سے وابستگی ہے
 وہاں دولتِ بال و پر بیچتا ہوں
 جہاں دستِ پاشل ہیں پسائیوں سے
 وہاں تیغِ فتح و ظفرِ بیچتا ہوں
 جہاں ترکِ یک موی بھی ممکن نہیں ہے
 وہاں خواہشِ ترکِ سر بیچتا ہوں
 جہاں اُس ہے تنگ دامانیوں سے
 میں، دل بیچتا ہوں، جگر بیچتا ہوں
 گدا ہوں، مگر وہ گدا ئے غنیِ دل
 کہ، تاج و کلاہ و کم بیچتا ہوں
 صدا دو، کہ بازارِ نوحِ بشر میں
 تمنا ئے روحِ بشر بیچتا ہوں
 نہ ہو گا کوئی مجھ سا بھی تیرہ قیمت
 کہ بازارِ شب میں سحر بیچتا ہوں
 کوئی مشتری ہو تو آواز دیدے
 میں کبخت، جس ہنس بیچتا ہوں

سخن کے ہیں دیوں تو بہت جوش بہا جر
 مگر، میں، مہرنگِ دگر بیچتا ہوں

فریبستی

چمن کی خاک نے تادیر کی عرق ریزی
مٹا کے نقشِ دھوئی، صیدِ رنگِ دبوکیلنے
کٹافٹوں میں لطافت کی شمعِ روشن کی
گھٹا کی جیتے اٹھی، فضا پہ ڈالے دام
گذشتہ زہرہ جبینوں کے، دلِ نشیںِ ذرات
دنیا کے تھے نباتات کو جو روزِ ازل
جمالِ خاکِ نشیں کو دکھائی راہِ خلک
تریِ زمین سے لی، آسمان سے گرمی
جھگو کے رنگِ مینِ ذات کی بتائیں نہیں
کہ گھٹ کے آرزوئے تحمِ گل نہ رہنے پائے
مہینِ جال سے بُن کر زمیں کی تیس بچھائے
منو کے ظلمتِ افسردہ میں چراغِ جلائے
قدمِ پشس کے تڑپنی، قمر کے ناز اٹھائے
نفس کی لُو پہ بڑے اہتمام سے پچھلائے
کمالِ حسن و لطافت کو وہ سب سے دہرائے
جمودِ زیرِ زمیں کو تپش کو راز بتائے
صبا سے عطرِ بخودا، کرس رنگِ چرائے
اور ان تہوں میں تکلف کے ساتھ نقشِ بٹھائے

گرہ لگائی پھر اک، مثلِ نرگسِ محسوس
اور اس طرح کہ ہواؤں کی رُو میں کھلتی جائے

اور ان تمام مراحل کے بعد - ایک کلی چمن فروز ہوئی پتیوں کو منہ کو چھپائے

اور اس کے بعد جو دیکھا تو شام کے ہننگام

پڑی ہوئی تھی سرخاک، ناوک غم کھائے

یہ کیا نظم ہے معبود! بارغ ہستی کا ! کھلے جو صبح کو، وقت غروب کھلا جائے

جب ایک پل میں ہو تعمیر ماہ و سالِ خراب تو کس امید پہ کوئی فریب تھی کھائے؟

بیا کہ قصرِ امل سخت سُست بنیاد است

بیار باد، کہ بنیادِ عمر برباد است

(حافظ)

ہستی بیتاب

ضمیرِ ارض و سما، روحِ مرد و زن بیتاب

کسی کے دل میں ادھر حسرت کفن بیتاب

زبانِ شوق میں ہے شعلہ سخن بیتاب

ہوائے گل سے ادھر بادِ کہن بیتاب

سکون نہ ڈھونڈ سکے صبحِ ازل سے ہے اب تک

کوئی اُدھر ہے پریشاں قبائے زار کے لئے

نگاہِ ناز میں ہے حرفِ دلبری بے چین

صدائے لئے سے اُدھر مست، ساقی کو خیز

اُدھر ترانہ مطرب سے ، بزم زیر و زبر
 اُدھر کشاکش گیسو سے ہر دل آشفستہ
 اُدھر سیاستِ خورشید سے بیا باں گرم
 اُدھر گداز چراغِ حرم سے شیخ کو وجد
 اُدھر خلوص کے دل میں عقیدتیں بے چین
 اُدھر ہنپ رقابت سے مضطرب خسرو
 اُدھر وصال میں زلفِ نگار ژولیدہ
 اُدھر تہذیبِ انساں سے سرگراں یزداں
 اُدھر تجلِ اصنام ، لرزہ بر اندام
 اُدھر پیر کے لئے چشم کو گرم تلاش
 اُدھر ہے قامتِ پیری پہ زہ کمانِ قضا

اُدھر حسام کی جھنکار سے ہے رن بیتاب
 اُدھر نسیم سے گیسو کی ہر شکن بیتاب
 اُدھر سحابِ جنوں خیز سے چمن بیتاب
 اُدھر فروغِ رُخِ بخت سے برہمن بیتاب
 اُدھر نفاق کے سینے میں سورطن بیتاب
 اُدھر فریبِ محبت سے کوہ کن بیتاب
 اُدھر فراق میں بستر کی ہر شکن بیتاب
 اُدھر شکوہِ مشیت سے اہرمن بیتاب
 اُدھر تہیہِ محمودِ بخت شکن بیتاب
 اُدھر پیر کے لئے بوئے پیر ہن بیتاب
 اُدھر کلاہِ جوانی میں بانچن بیتاب

غرض کہ ، شرح کہاں تک ہو ، مختصر یہ ہے
 کہ انجن کی ہے ، لے جوش ! انجن بیتاب

بھٹکی ہوئی نیکی

ہر شے کو مسلسل جنبش ہے، راحت کا جہاں میں نام نہاد
 چھانی ہے فضا پر تشنہ لبی، مفقود یہاں سیرانی ہے
 اس بزمِ غلش کا ہر ذرہ، بچپنیوں کے انبوہ میں ہے
 لیلائے سماعت مضطرب ہے، عشرت کے ترانے سننے کو
 ہیجان ہے چشمِ بستی میں، رفعت کا نوشتہ پڑھنے کا
 ہر موم کو دھسن ہے شمع بنے، مضطرب ہے گھل جانے کیلئے
 انگاروں پہ شعلے لوٹتے ہیں، بجلی پہ تنقوع پانے کو
 بیچپن گولار قصاں ہوا آمدھی پہ شرف پانے کیلئے
 ہر قطرہ دریا غلطاں ہے موتی پہ تپ تپ پانے کو
 ہر دل میں، غرض اک کاش ہے، امید کا ساغر بھر نیکی
 ہر لمحہ یہ خواہش روحانی، جذبوں کو اُچھار کر رہی ہے

اس عالم سعی کاوش میں انساں کیلئے آرام نہیں
 ہر جسم میں اک لے جینا ہے ہر روح میں اک بتیابی ہے
 اک رشتہ پیہم کاہ میں ہے، اک زش پہناں کوہ میں ہے
 ہر نقص کا دامن پھیلا ہے تکمیل کی کلیاں چھپنے کو
 اک دھن ہے ترقی کرنیکی۔ اک جوش ہوا آگے بڑھنے کا
 ہر سنگ کا سینہ جلتا ہی پارس میں بدل جانے کیلئے
 چنگاریاں مرغِ بمل ہیں تاروں کی جگہ گھل جانے کو
 جو موج ہے پیر و تاب میں ہر دھارے سے اُلجھ جانے کیلئے
 ہر ذرہ خاکی اڑتا ہے خورشید سے ٹکڑ کھانے کو
 ہر شے کی تڑپتی فطرت میں، خواہش ہے ترقی کرنیکی
 میدان کے پتے ڈروں کو سورج سو پکارا کرتی ہے

وہ چور جو شب کے پردے میں سرقے کی غرض سے آتا ہے
جو نیند کی مانی بستی پر ظلمت کی طرح چھا جاتا ہے

اک ایسی ہی خواہش اکو بھی، چوری کیلئے اُکساتی ہے
سارق بھی فرشتوں ہی کی طرح تسکینِ طرب کا جو یا ہو
رہبر ہو کہ، رہزن دونوں میں تسکین کی خواہش کیسا آج
عارف نے یہ سمجھا آسائشِ شکو کو گر اگر ملتی ہے
صوفی نے یہ سمجھا وہ دل کے پیمانے میں مل جائے گی
پس ذوقِ طرب میں عجیب انسان ہوتا ہو سدِ میخانوں میں
جالِ آتش نہ ڈال لے صیدِ گن، یہ باہرِ حرم کا طائر ہے
جتنے بھی زمیں پر مجرم ہیں، خواہش ہی کو زیرِ فرماں ہیں
جس طرح کی خواہش نورانی، دیوتاؤں میں پائی جاتی ہو
ہر چند کہ اس نے قسمت سے تسکین کا رستہ کھویا ہے
ہر چند وہ سیدھی راہ پہ ہو، یہ راہ بھٹک کر حیراں ہے
قاتل نے یہ سمجھا انسان کا وہ خون بہا کر ملتی ہے
میکش کی سمجھ میں یہ آیا میخانے میں مل جائے گی
ہے اہل میں وہ بھی دُنیا کے معصوم ترین انسانوں میں
آیا ہے بھٹک کر دیر میں جو گمراہ نہیں ہے، زائر ہے
ہر مجرم کے یہ محضر پر خواہش ہی کی ہریں تاباں ہیں

المختصر، ان تشریحوں سے، ہم پر یہ حقیقت کھلتی ہے
کہتے ہیں جسے دُنیا میں "بدی" بھٹکی ہوئی وہ اک "نیکی" ہے

مشاہدہ

ہر نفس، یہ کس کے جلووں کی خبر پاتا ہو نہیں
 منظرِ ہستی پہ تابندہ یہ کس کا جمال؟
 سامنے آتی ہیں جب صحیحین برا فگندہ نقاب
 ہر گلی میں نہ بھکتا ہوں ایک چشمِ نیم باز
 ایک اک پتہ ہے مکتوبِ عروسِ رنگ و بو
 چرخ پر ایک ایک تارے میں جھلکتا ہو جمال
 نقطہ ہائے نور پر ہیں تیرگی کے دائرے
 خاک کے تودوں پہ ہر معمارِ عالم کی نگاہ
 کاپنے لگے ہیں جب تارے بساطِ چرخ پر
 ناخنِ غم چھیڑتا ہے جب رگِ جاں کا ستار
 جلوہ گاہِ ناز میں جس وقت رکھتا ہوں قدم
 شکر کے سجروں میں بنیانی کا سر پاتا ہو نہیں
 خیرہ پہنکے دو عالم کی نظر پاتا ہو نہیں
 دل میں یہ کس کے تبسم کا اثر پاتا ہو نہیں
 ہر چین کو اک بہشتِ مختصر پاتا ہو نہیں
 باغ میں ہر شاخ کو پیغامِ سر پاتا ہو نہیں
 خاک کے ایک ایک ذرے میں نظر پاتا ہو نہیں
 ظلمتوں میں گردِ شمس و قمر پاتا ہو نہیں
 ہر قدم پر ساز و برگِ بام و در پاتا ہو نہیں
 عالمِ اسباب کو زیر و زبر پاتا ہو نہیں
 دل میں لیلائے طرب کو جلوہ گر پاتا ہو نہیں
 اس گڑھ کو حیاتِ سیر و ندر پاتا ہو نہیں

دیکھتا ہوں جس قدر گہری نظر سے بار بار
 ہر نظر رُخ پر دکھائی ہوا اک آبِ تابِ نو
 ثبت ہے تصویر کے رُخ پر مصوّر کا جمال
 دوڑتا ہے نبضِ خس میں ہی سوزاں کا لہو
 اشتیاقِ اوج میں ہیں نا تراشیدہ مہم
 ناخنِ حکمت پہ کرتا ہوں بھروسا جس قدر
 تہہ میں کیا جلوے ہیں انکی تشریح تو ممکن نہیں
 دل میں جب آتا ہوا صانع کے مصالح کا خیال
 بستہ یک آرزوئے مشترک ہے کائنات
 راہِ حق ہی میں نہیں ہیں حُسن کو نقیض قدم
 حُسن کو پہلے سے کچھ پاکیزہ تر پاتا ہوں میں
 ہر نفسِ جلوے میں اکشانِ گر پاتا ہوں میں
 آئینے میں جلوہ آئینہ گر پاتا ہوں میں
 سینہ شبنم میں طوفانِ شہر پاتا ہوں میں
 پتھروں میں جنبشِ صَد بالِ پیر پاتا ہوں میں
 عقدہ اسرار کو چھپیدہ تر پاتا ہوں میں
 سطحِ دریا پر بھی اک موج گہر پاتا ہوں میں
 عیب کی فطرت کو لبریز ہنر پاتا ہوں میں
 کس قدر اصداد کو شیر و شکر پاتا ہوں میں
 گم رہی کو بھی کسی کی رہ گزر پاتا ہوں میں

پھر تعجب کیا، کہ اس تردا منی کے باوجود
 جوش کو منجملہ اہلِ نظر پاتا ہوں میں

بارگاہِ شمعِ مژدہ

یہ بارگاہِ شمع ہے، جھکتے ہیں سر یہاں
 چومی ہے غمخوئوں نے یہ خاکِ فدا دگی
 اس راستے کی شمع ہے لوحِ الایں کی سنڈ
 اس کشورِ فراق کی مدہوشیاں نہ پوچھو
 گونجی ہوئی ازل سے کلہا نک بے خودی
 معمورۂ خیال میں ہنگامِ ناؤ نوش
 پڑتی ہے آکے قلبِ پینِ ازل کی ضرب
 اللہ لے سرود کہ جہزائے کائنات
 اس دائرے میں منصبِ کلام و دہن ہر اور
 ہاتھوں پہ صبح کو طبعِ زر لے ہوئے
 باطل، فسانہ کرۂ ارض و دودِ چرخ
 قطع نظر سے ہوتی ہے پیدا نظر یہاں
 ڈالی ہے فعتوں نے فلک کی سپر یہاں
 روشن کبھی ہوا نہ چراغِ نسیم یہاں
 شاہوں سے، فاقہ مست ہیں آسودہ تر یہاں
 یعنی، حدیثِ عقل نہیں معتبر یہاں
 کرتے ہیں رقصِ زہرہ و شمسِ سیر یہاں
 آئینہ توڑ دیتا ہے آئینہ گر یہاں
 ہر زیر و بم پہ ہوتے ہیں زیر و زبر یہاں
 تلخی میں بھی ہے دولتِ شہد و شکر یہاں
 آتے ہیں آسمان سے پیغامِ سیر یہاں
 یہ دائرے ہیں حلقہٴ بیرون و در یہاں

پروانہ معرفت کا ہے دل کی شگفتگی
 پیغمبری کی ٹہر ہے داغِ جگر یہاں
 ہوتے ہیں نورِ صبح سے تعمیرِ سقف و بام
 بننے ہیں رنگِ شام سے دیوار و دیہاں
 اُڑتی ہے سوئے چرخِ بریں کو روحِ شوق
 ہوتی ہیں آسمان پہ راتیں بسر یہاں
 ہر ذرہ حقیرِ بصرِ ناز و دلبری
 رکھتا ہے آفتاب کے زانو پہ سر یہاں
 کیا پوچھتا ہے جوشِ تصور کے معجزے
 ہر سانس میں ہے ارض و سما کا سفر یہاں

ہم لوگ

خزاں کے جُور سے ہر چند خوار ہیں ہم لوگ
 مگر، امانتِ فصلِ بہار ہیں ہم لوگ
 ہر ایک سانس ہے گو صد ہزار حشرِ بدوش
 مگر، پیامِ کثبات و قرار ہیں ہم لوگ
 جلالِ چھو نہیں سکتا ہر باد و باران کا
 وہ دستِ غیبِ نقشِ نگار ہیں ہم لوگ
 زمیں سے کرتے ہیں ناز و آسماں سے غرور
 وہ کبرِ دوستِ آئینہ دار ہیں ہم لوگ
 عیاں ہیں جن پہ ہتی دستیاںِ سلاطین کی
 لباسِ فقر میں وہ شہرِ بار ہیں ہم لوگ
 جہاں میں ہیں، مگر اہلِ جہاں کام نہیں
 وطن میں رہ کے غریبِ لہزار ہیں ہم لوگ

کسی مقام پہ حاصل نہیں قرار ہمیں
 جو اینوں کو ہمیں سے ملی ہے نعمتِ ناز
 فسرہ غم ہستی سے کھینچتے ہیں شراب
 چمن میں سنتے ہیں ہر صبح نغمۂ الہام
 جگہ ہے وقت کا اپنی جناب میں چاک
 حیات و موت کی پست بلند راہوں میں
 نفس میں سنتے ہیں آہٹ کسی کو قد مونگی
 وہ جبر دوست جسے "اختیار" کہتے ہیں
 محیطِ مکہ مقلوب کے طلاطم میں
 حیات کی ابدی رات کے اندھیرے میں
 بجھے پڑے ہیں مانہ کے ہاتھ ہر چند
 ادبے آؤ ہمارے حضور اصلِ نظر!
 نگاہِ روبرو، لے روحِ نعمتِ دارین

مثال جئے رواں بہ قرار ہیں ہم لوگ
 وہ رازِ طرہ زلفِ نگار ہیں ہم لوگ
 بساطِ عیش پہ وہ بادہ خوار ہیں ہم لوگ
 امینِ زمزمہ شازار ہیں ہم لوگ
 وہ فاتحِ غم بیل و نہار ہیں ہم لوگ
 خرامِ ابرسر کو ہسار ہیں ہم لوگ
 نہ پوچھ، کیوں حمہ تنانظار ہیں ہم لوگ
 اس اختیار کو بے اختیار ہیں ہم لوگ
 سفینہ زکامِ عیار ہیں ہم لوگ
 چراغِ عابدِ شبِ زندہ دار ہیں ہم لوگ
 مگر ہمیں برق و شہار ہیں ہم لوگ
 جہانِ حسن کے پروردگار ہیں ہم لوگ
 بہ ہوش باش کی زواں نکار ہیں ہم لوگ

بس اس خطا پہ کہ ہیں محرمِ رموزِ حیات
 شکارِ کشِ محشرِ روزگار ہیں ہم لوگ

تحفہ مکتوب

لایا ہے اک صحیفہ، سخداں ترے لئے
 ہر مد ہے مشرقین بد اماں ترے لئے
 چھوڑا نہیں سچ ایک بھی عنوان ترے لئے
 دل کو وہاں کیا ہر پریشاں ترے لئے
 طیلِ جنگ و سازِ شستاں ترے لئے
 پرکھی ہے روحِ عالم امکاں ترے لئے
 کتنی شبوں کا گریہ نہاں ترے لئے
 کتنے مہیب تیرہ بیا باں ترے لئے
 کن ہوشوں کی لپٹِ پیشاں ترے لئے
 لایا ہوں میں یہ چہچہواں ترے لئے
 کس شوق کا تبسمِ پہاں ترے لئے

اے روحِ عصرِ حاضرِ ہندوستانِ نو
 اس مصحفِ عظیم کی اللہ رے وسعتیں
 ہر منظرِ حیات کو دیکھا ہے غور سے
 رگتی ہے جس مقام پہ روحِ الایں کی لاس
 لایا ہوں بزمِ ورزم کی ارضِ تضاد سے
 کتنی شبوں کے طاق میں کھکھچا رہِ دل
 اس کی خبر بھی ہے کہ بنایا گیا ہے سخن
 ڈھالے ہیں مرزا و رگستاں کی شکل میں
 گونڈھی گئی ہے تاریخِ سخن میں خبر بھی ہے
 کس کو خبر، نراش کے کنِ ظلمتوں کا دل
 میں تجھ سے کیا کہوں کہ سخن میں کیا ہو حل

واقف بھی ہے کہ موج سخن میں ہوئی ہو صفت
 کن انکھڑیوں کی جنبشِ مژگاں ترے لئے
 لایا ہوں وزن و شعر کی منزل میں کیا کہو
 کیونکر جراحِ دلِ انساں ترے لئے
 تعبیر کی ترازوئے نرم و نہفتہ میں
 تولے ہیں کتنے خوابِ بے مثال ترے لئے
 کیا پوچھتا ہے جوش کی بربادیوں کا حال
 پُرنے ہے کب سے جیبِ گریباں ترے لئے

آوازِ شاعر

میں نے میں پر مصحفِ احساس کی تفسیر ہوں
 عشق کی تنویر، خوابِ حُسن کی تعبیر ہوں
 جو دو عالم کی حدیں بکھڑی ہو وہ زنجیر ہوں
 میں سناروں کی زبان میں چاند کی تقریر ہوں
 میری نظیں روشنی ہیں قلبِ حق آگاہ کی
 یہ سنہری کنجیاں ہیں قصرِ مہر و ماہ کی
 شہدِ میری گفتگو ہی سانسِ میری کلاب
 نطقِ سی میہِ نمایاں ہی تخیل کا شباب
 پیکرِ خاکی ہوں، لیکن وہ طلسمِ آبِ تاب
 جس کے ہر ذرہ میں گردش کر رہا ہے آفتاب

ڈالتا ہوں پر تو گلشنِ خس و خاشاک پر
 عرش کی مہر میں لگاتا ہوں جبینِ خاک پر
 وارثِ کونین ہوں میرا کوئی نہ نانی نہیں
 میرے قدموں چھچی ہتی ہر فطرت کی جبین
 مسکراتی ہر غرورِ عرش پر میری زمیں
 ظالم و سکرش عناصر ہیں مے زیرِ نیگیں
 رقص کرتا ہے نظامِ دہر میرے ساز پر
 کاروانِ روح چلتا ہے مری آواز پر
 ناز سے گلشن میں چلتی ہر ہوا میرے لئے
 تجھ کو کر آتی ہر سادوں کی گھٹا میرے لئے
 حُسن کو بخشنے گئے ناز و ادا میرے لئے
 سانسے باہر نکلتی ہے صدا میرے لئے
 صبح کے رنگین عنخوں میں ترنم مجھ سے ہے
 چاندنی راتوں میں اندازِ تبسم مجھ سے ہے
 صبح کو عنخوں میں دہرائی ہے جب پہلی کرن
 مجھے شے بنم کی زباں ہوتی ہر سرگرم سخن
 چاندنی میں جب جھلک اٹھتا ہر برگِ یاسمن
 عشق ہوتا ہے مری محفل میں صدرِ سخن
 زمرے سنتا ہوں شب کی محفلِ خاموش میں
 حُسن آجاتا ہے تاروں سے مرے اسغوش میں
 سرد ہو جائیگی جب یاروں کی قندیلِ دماغ
 تیرگی میں اور بھی چکیں گے میرے دل کے دماغ



عصرِ حاضر کا زمانہ جب لگائے گا سُرِ اُغ
دور سے جلتا نظر آئیگا شاعر کا چہرہ اُغ
رات جب تاریک ہوگی، برق چمکاؤں گا میں
اک منارہ نور کا اس وقت بن جاؤں گا میں
پرچمِ تعمیرِ فوجِ چرخِ پرہیز لگائے گا
عصرِ پارینہ کے ایوان کا کلسِ تھرا نیگا
انقلابِ دہر تاج و تخت کو ٹھکرائے گا
ایک میرِ نقشِ ہے دُنیا میں جو رہ جائیگا
مشعلوں کو جب سُجھا دیگی ہو آفاق میں
یہ کنولِ روشن رہیگا آندھیوں کے طاق میں

سوزِ ناتمام

لے لو اسیرِ کاکلِ ہنگامہٗ نشاط !
مانا، کہ کائنات ہے محض ایک اعتبار
پھر بھی نگاہِ اہلِ حقیقت کے واسطے
یاں ایک بھی عمل نہیں ہے ربط و سلسلہ
عالم اگرچہ عالمِ ادہام و خواب ہے
دریا نہیں، فریبِ نمودِ سراپ ہے
ہر ذرہ، اک خیمہٗ اُمّ الکتاب ہے
جو چیز ہے، وہ اپنی جگہ لا جواب ہے

صرف اک حقیر خاک کی نیرنگیوں کو دیکھ
 سُن، اے حریفِ بادۂ انکور و بزمِ کیف
 دیکھ اس طرف، کہ جامِ طلوع و غروب میں
 لہروں کو چھوڑ، بحر کو گہری نظر سے دیکھ
 دھوکا ہے یہ نگاہ کا، لٹہ باز آ !
 جس حُسن و قریب پہ یوں ٹھن رہا ہو سر
 بیگانہ حقیقتِ انفاس، ہو شیار !
 ہر جنبشِ نگاہ ہے اک انقطاعِ فصل
 جی بھر کے بزمِ عیش میں ارماں نکالنا
 صد گرمیِ حیات ہے اک سوزِ نامتسام
 صحرائیں خار، صحنِ چین میں گلاب ہے
 فطرت کے میکدے میں حقیقی شراب ہے
 صہبائے روزِ ابر و شبِ ماہِ تاب ہے
 گوہر کے کُنج پہ موج کی چادرِ نقاب ہے
 جس کو سمجھ رہا ہے تجلی، حجاب ہے
 تیری ہی ایسے خبر، یہ نگاہِ شباب ہے
 ہر سانس ایک عالمِ صدا انقلاب ہے
 ہر لمحہ، ایک منزلِ روزِ حساب ہے
 اوچھا سا اک خیالِ پریشانِ خواب ہے
 جب شمع جل بجھی نہ تپش ہوئے تاب ہے

حسرت نکل گئی تو ہے ناکامیاب دل
 حسرت پھل رہی ہے تو دل کامیاب ہے

تحسین کے بھول

بادِ خواب آور سے جل اٹتی ہریاں قندیلِ ہوش
 دوڑ جاتا ہے مری نبضوں میں خونِ زندگی
 ہنس کے میرے دل کی بیداری اُٹتی ہے نقاب
 شعر کہنے کو مرے ہاتھوں میں دیتی ہے قلم
 اک کرن سی دائرہ میں گھیر لیتی ہے مجھے
 مسکرا کر دیکھنے لگتے ہیں گردوں سے نجوم
 آسمان کو اپنے قدموں پر چھکا لیتا ہوں میں
 انگلیوں پر اک جلالی شان آتی ہے نظر
 اک طرب آمیز دہشت دل کے چھو لیتی ہے تار
 جس طرح ساحر کے لب، افسوں کو دہرائی ہوئے
 لے تحیرِ خیرِ جلوے لیلیِٰ تختِ سیل کے

رات کے ہنگام جب ہوتا ہے اک عالم خموش
 کھولتی ہے اپنے شہرِ جب سہیلی موت کی
 کاروانِ کش مکش ہوتا ہے جب مصروفِ غاب
 کوئی پُراسرار قوت، کوئی رُوحِ محتشم
 دفعتاً چھڑتے ہیں پھر ارض و سما کے زمزمے
 دل میں ہوتا ہے مرے نادریا لوں کا ہجوم
 بہرِ پابوسی فرشتوں کو صدا دیتا ہوں میں
 لکھ رہا ہوں کیا، نہیں ہوتی مجھے مطلق خبر
 یوں قلم کرتا ہے جنبشِ بات میں بے اختیار
 یوں فضا میں نقشِ بھڑکتے ہیں تھرائے ہوئے
 کس قد سمار سے معمور ہیں جلوے ترے

شب کو تیری قربتِ الہام پر درکالتیں
تو پری ہو یا فرشتہ، روح ہو یا دھم
کھوتا ہو دل میں قفلِ سماں، بابِ زمیں
آکسیٰ نہ میرے آگے، نیکیٰ انسانی میں
پنکھڑی سے وہ تبسم، وہ صدائیں دلکش
روح پرور وہ صلے، وہ مرجبا، کو زمرے
جو بطور داد پائے ہیں مے اشعار نے

سمر عقیدت سے جھکا کر لے نہفتہ غم گسار
ڈال دوں گردن میں تیری گوندھکاں سبکا ہار

خطرِ قنار

دیکھ چٹم غور سے، راہوں میں قدموں کے نشان
بعض نفیث پاہیں، کچھ سٹے ہوئے سے مضحک
یہ بکیریاں ہیں کہ جنبش میں ہے نبضِ کارواں
اور کچھ ابھرتے نظر آتے ہیں فرشِ خاک پر
جن سے ظاہر ہی، کہ تھے پڑھ رہے ان لوگوں کے دل
کچھ نشان ہیں ہلکے ہلکے دلفریب و دل نشیں
لے رہا ہے جن میں انگریزی غم و رِمال و زر
جن سے ثابت ہے کہ یہ ہر وقتے شاید نازیں
کچھ نشان ایسے بھی ہیں پا مال بار آرزو
جن کے ہر خط میں پُرافتاں ہے تمت کا لہو

کچھ نشاں ایسے ہیں گویا خون سارا جِسم گیا
 بعض میں آمادگی ہے مُسکد آنے کے لئے
 کچھ ہیں یوں زیر و زبر، غنّے کے جیسے زیرِ دم
 اے مسافر دیکھ شانِ پُچ و تابِ زندگی
 قرطِ ناکامی سے دل دھڑکا دھڑک کر بھٹم گیا
 اور کچھ بے چین ہیں آنسو بہانے کے لئے
 جن سے ثابت ہے، کہ یہ شاعر کے ہیں نقشِ قدم
 یہ نشانِ پاہیں، اور اقی کتابِ زندگی
 لکھ گیا ہے خاک پر کیا کیا قلم رفتار کا!
 حرف ہیں ذروں کے، دفترِ راہِ ناہموار کا

دینُ احساس میں تسبیح کے دانے ہیں یہ
 بزمِ گاہِ جادۂ ہستی کے افسانے ہیں یہ

بازی غیب کو

لے شوخ دل سے تیری شوخی کو مانتا ہوں اکسیر آج اگر ہوں، کل خاک چھانتا ہوں
 تو کھیلتا ہے مجھ سے میں خوب جانتا ہوں
 گھٹ کر کبھی ہوں قطرہ، بڑھ کر کبھی ہوں دریا آج ابتدا کا جلوہ، کل شانِ انتہا ہوں
 تو کھیلتا ہے مجھ سے میں خوب جانتا ہوں
 عصیاں کی گھاٹیوں میں، طوفاں ہوں تیرگی کا عصمت کے آسماں پر، خورشیدِ حق نما ہوں
 تو کھیلتا ہے مجھ سے، میں خوب جانتا ہوں
 آج آفتابِ عزت، کل دُورِ حقارت آج آشنائے صحت کل دردِ لادوا ہوں
 تو کھیلتا ہے مجھ سے، میں خوب جانتا ہوں
 میرا بھی کوئی جلوہ، آندھی کی زد پہ شعلہ میری بھی کوئی ہستی، دم بھر میں کیا کر گیا ہوں
 تو کھیلتا ہے مجھ سے، میں خوب جانتا ہوں
 اک عمر ہو چکی ہے، یوں ہی مجھے سُلگتے ایک آہِ کسری کی کسر ہے، اکسیر ہو چلا ہوں

تو کھیتا ہے مجھ سے ، میں خوب جانتا ہوں

جنانہ

دیکھ لے انساں! یہ کیا شے جا رہی ہو دوش پر؟
 کون یہ اوڑھے کفن، تاحشر سونے کیلئے
 اشک بن کر نور کیوں اس کی نظر کا بہر گیا
 بخت سے کچھ اس خاک کی امداد ہو سکتی نہیں؟
 ہاں، خدا را اک نظر، اس پیکر خاموش پر
 جارہا ہے قبر کی خوراک ہونے کے لئے
 سوچ، یہ کیوں دفعۂ خاموش ہو کر رہ گیا
 اب یہ بستی حشر تک آباد ہو سکتی نہیں
 ناز تھا جس صبح لورانی پر اس کی شام دیکھ
 دیکھ اپنے شاندار آغز کا انجام دیکھ

بے خبر یوں سو رہا ہے آج جو اوڑھے کفن
 اس کی راتیں بھی تبسم کی طرح شاداب تھیں
 خون میں اسکے بھی اک ہلچل تھی، اک طوفان تھا
 وہ اُمنگیں، وہ نشاطِ کامرانی کیا ہوئی
 ایک دن اس نے بھی پہنا تھا عروسی پیرہن
 اس کے دل میں بھی ہزاروں حسرتیں بیتاب تھیں
 یہ بھی تیری طرح، جیتا جاگتا انسان تھا
 کیا ہوئی، وہ زندگی کی لہن ترانی کیا ہوئی

تو آب خوشگوار میں ”صہبائے قوم“ ہوں
 تو ”فکر قوم“ ہے، میں ”تمنائے قوم“ ہوں
 تو باغباں ہے اور مری ذات باغ ہو
 میں نل ہوں اپنی قوم کا اور تو دماغ ہو
 وہ دل ہوں جس میں سُرخِ محبت کے داغ ہیں
 ہر داغ پر نثار ہزاروں دماغ ہیں

فسونِ آرزو

جس دن سے جبہ سا ہوں میں دل کے آستان پر
 روحِ شراب یعنی، آنسو پئے ہوئے ہوں
 کرتا ہوں چاک صد ہا پردوں کو ہر نفس سے
 جیسی ہے میری دنیا، ویسی کہیں نہیں ہے
 شرا کے ماہِ تاباں، منہ اپنا ڈھانپتا ہے
 اوقاتِ برقِ رو کا مجھ پر اثر نہیں ہے
 ہر جنبشِ نظر سے اڑتا ہوں آسماں پر
 کونین کی امانت دل میں لئے ہوئے ہوں
 گلشنِ پھولِ فناں ہوں تارِ کبھیِ قفس سے
 اوپر فلک نہیں ہے، نیچے زمین نہیں ہے
 میرے پردوں کا سایہ تاروں پہ کانپتا ہے
 میرے لئے نظامِ شمس و مریخ نہیں ہے

یہ لائے سردی سے میری نظر لڑی ہے زنجیر بے ثباتی، ٹوٹی ہوئی پڑی ہے
 سجدے کریں فرشتے، میری وہ آبرو ہے اور کیوں نہ ہو کہ میرے دل میں وہ آرزو ہو
 جس کا فنون نہ جانے کس کس پہ چل چکا ہے
 عشق کھا چکے ہیں موسیٰ اور طور جبل چکا ہے

کون ہے

کون کہنا چاہتا ہے مجھ سے اپنے دل کو راز یہ ہواؤں میں ہو کس کے سانس لیتو کا گداز؟
 کس کا سایہ کانپتا ہے یہ درو دیوار پر جھانکتا ہے کون، ظلمت کا دریچہ کھول کر؟
 یہ مرے سینے میں، اے شب اسکیاں لیتا ہو کون؟ یہ اندھیرے میں مجھی پیغام سادیتا ہے کون؟
 کس سے میں پوچھوں یہ کیا انداز، یہ کیا طور ہے؟
 خود یہ دل ہی کے کرشمے ہیں کہ کوئی اور ہے؟

شاعر کا دل

کبھی دل فخر سے دیتا ہے آواز
 کبھی فریاد کرتا ہے کہ مجھ پر
 کبھی ہرزہ خاکی کا محکوم
 کبھی ہے کامراں ہو کر بھی ناکام
 کبھی لطفِ خداوندی سے معصوم
 کبھی شرکاں کی جنبش سے کہن سال
 کبھی اک تنہی سے ہلکا آسماں ہے
 نفس کا ثقل بھی کوہِ گراں ہے
 کبھی شمس و قمر پہ حکمران ہے
 کبھی ناکام ہو کر کامراں ہے
 کبھی جو ربتاں سے شادماں ہے
 کبھی صدیوں کی کاوش و جواں ہے
 وہ دل، ہم شاعر دل کا آشیان ہے

دماغوں پر کھلیں ہم کیا، کہ ہم کو
 وہ سمجھے گا جو دل کا راز داں ہے

معذرت

ہنسائیں اور زمانہ کی خوشی کا چرٹھ گیا پارا
مگر کھینچی جب آہِ سرود، قلبِ ناشکیبائے
کہائیں نے، کہ اے وہ زلفِ اجور ہم نہیں ہوتی
یہ سننا تھا، کہ دُنیا نے کہا، بچی نگاہوں سے
کہ مجھ کجحت کو فرصت نہیں خود اپنی آہوں سے

فرشتے کی سیر

اک پاک فرشتے نے آکر دُرکھولا ہی اک تارے کا
پہلے تو اُسے کچھ دُھند لاسا اک دُلاغ دکھائی دیتا ہی
اول تو سیہ دھبوں کی طرح میدانِ نظر آتے ہیں اُسے
کیا دیکھتا ہے وہ، دُنیا میں نفرت کا نشان لہرانا ہی
مشتاق تھا جو اک مدت سے اس دُنیا کو نظّاری کا
پھر موج ہوا میں ہلکا سا اک شور سنائی دیتا ہی
جب خوب نظر جم جاتی ہی انسان نظر آتی ہیں اُسے
انسان کا انساں دشمن ہی، ایک لیک کھا کر جاتا ہے

انسان کیسی ہستی ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کیا کہتا ہے؟
 دُنیا میں طرب کی تدبیریں کیا خوب نکالی جاتی ہیں
 قوموں پہ فلاکت لانی کونسا ہوں کہ خائف کھلتے ہیں
 بیگانہ ہر سبیل انسانی کونین کی دل آویزی سے
 سنجیدہ ترین افراد میں کبھی انداز ہیں یاں اواباشوں کے
 فاتح کو تسلیم آتا ہے، جب پسپا قویں روتی، ہیں!
 معصوم فرشتہ روتا ہے تقدیر پہ ان نادانوں کی
 عیبوں پہ فرشتے کی تھی نظر، وہ عیب باہر جانہ سکا
 قانون ہے یہ اس دُنیا کا جو ڈھونڈو گئے وہ پاؤ گے

~*~ ۲ ~*~

دیکھو وہ فرشتے نے کی تحقیق کی دل میں ٹھانی ہے
 اس مرتبہ وہ کیا دیکھتا ہے، ہر ذرہ عالم تاباں ہے
 اس جنگِ جدل کے حیلے کو بچپن ہیں قومیں ملنے کو
 جتنی بھی دُنیا اپنی شرارت حد سے بڑھاتی جاتی ہے
 سینے سوا اندھیری راتوں کی چھٹی ہو ضیاءِ الساتوں میں

اس تلمے سے بھی ناواقف جتنا رویں یہ رہتا ہے!
 فلاں دگلا یا جاتا ہے، تلواریں ڈھالی جاتی ہیں
 درسِ امنِ اماں کا لینے کو تو پلوں کو دہانے کھلتے ہیں
 اس خن کے پیاسے حیاں کو مطلب ہے فقط خوریزی سے
 وجد آتا ہے فونی انسان کو حلقے میں طرپتی لاشوں کے
 ایوانِ طرب کی، قبروں پر بنیادیں قائم ہوتی ہیں
 تباریکہ نظر آتی ہے اُسے گردوں سے جبین انسانوں کی
 مٹی معترضانہ اس کی نظر، خوبی کا خزانہ پاؤ کا
 گر نیکیا تصور کرتے ہو، ہر گام پہ ٹھوکر کھائے گئے

اب منظرِ عالم روشن ہے، اب صحنِ جہاں نورانی ہے
 موتی کی طرح ہر آنسو میں مہتابِ تبسمِ غلطاں ہے
 پڑمردہ دلی کے سینے میں بیتاب ہیں غنچے کھلنے کو
 اتنی ہی حدودِ دیکھی سے نزدیک تر آتی جاتی ہے
 فطرت کا نظام تعمیر ہے ہر گرم غسل طوفانوں میں

ہر نقص کی بزمِ کاوش میں تکمیل کا شعلہ لڑاں ہے
 ہر چیز میں ہے سرگرم نیش خورشیدِ عروجِ انسانی
 ہر ذرۂ خاکی رکھتا ہوا ک خاص قلم اس عالم میں
 مصروف ہیں سارے نقص یہاں انسان کو مکمل کرتے ہیں
 نیز اچھے دل میں کھولن ہی تریاق کا دریا بننے کی
 تلواریں رکھی جائیں گی پُر ہول عجائبِ خانوں میں
 قلعوں کے یہ گنبد سرِ فلک آسماں کی طرح بہہ جائیں گے
 پستی کے دھنوں سے چمکیلے میٹار اُبھر نولے ہیں
 دراصل وہ روحِ عالم کی، صحتِ یکنی کا مجرم ہے
 پرواز کو باز و پھیلانے اور بامِ فلک سے دی یہ ندا

ہر نقص کی بزمِ کاوش میں تکمیل کا شعلہ لڑاں ہے
 بادل کی گرج ہو یا غنم، شب ہو کہ صبحِ نورانی
 ہر حلقہ اپنی خدمت پر مامور ہے زلفِ برہم میں
 سرگرم ہے روحِ جنگِ جہل تیغوں کے معطل کرتی ہیں
 دُھنِ خولِ لہرِ امروڑ کو چمکا رہی فردا بننے کی
 رہ جائیں گے قتلِ غارت کے انکار فقط افسانوں میں
 مٹ جائیں گے نقشے ظلمت کے آثارِ ضیاءِ بجائیں گے
 خورِ برفِ فضا سے طیارے، غارِ زمین اترنے والے ہیں
 کہتا ہے حادث کو جو بُرا ہمدرد نہیں ہو ظالم ہے !
 المحقران ہنگاموں کو جب خوب فرشتہ دیکھ چکا

انسان کو خبر دو فطرت کے ارمان نکلنے والے ہیں،

لوہے کی جبین سے چاندی کے قوآلے چلنے والے ہیں !

۱۔ لفظ منارہ کو بغیر ترکیب میٹار کہا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ یہ لفظ اردو میں عام ہے۔ ۱۲۔ جوش۔

اع

تیرے اک اشارے پر مدار آرزو
 مہر ایما ترا مضرب ساز زندگی
 ناچا ہتا ہو مجھ کو زنجیروں میں تو؟
 نے کیلئے مجبور کرتا ہے مجھے !
 مکی طرح دوڑوں نہ دانہ کیلئے؟
 نابات کیا مجھ کو بتا سکتا ہے تو؟
 ہے مجھے تو نے ہی وارستہ مزاج؟
 نی ہو تیری ہی زبان یار میں؟
 اں کو تو نے ہی سکھائے ہیں فنوں؟
 دہنی ہوئی برسات کی کالی گھٹا؟
 ہی تبسم ہے شبِ مہتاب میں؟

مُسکاتا ہے دُھند لکے کا درِ چپ کھول کر

یہ اگر سچ ہو، تو پھر تو کیوں ستاتا ہے مجھے
 ہوش اس طوفانِ مِشاو کو آسکتا نہیں
 کتنی پیچیدہ مصیبت میں پھنسا یا ہے مجھے
 تابشِ توحید بھی ہے مشعلِ اصنام بھی
 جلوہ رنگیں بھی ہو، تا کید ضبطِ ہوش بھی
 عشق کی سہنجیں ہیں، آنکھوں میں بنائی بھی ہے
 حکمِ استقلال ہو ترکیبِ بیانی کے ساتھ
 شورِ ادھر ہو، گامزن ہو جاعل کی آہ میں
 اس طغیانیہ شورے میں، دیکھ کارِ روزگار
 میں ہوں تیرا پاسبان ہر چند یہ کہتا ہے تو
 کس لئے بیکار دیوانہ بناتا ہے مجھے؟
 شعر کا وارفتہ دل یہ بوجھ اٹھا سکتا نہیں
 محفلِ اصدا میں تو نے بٹھایا ہے مجھے
 درِ سبکدشت بھی ہو، ہوشِ بادِ کلفام بھی
 وعظِ بشیاری بھی ہے، گلہ بانِ شاووش بھی
 حسنِ مِتابش ہو، تابشِ مِند لارانی بھی ہو
 سازِ بیداری ہو سامانِ گراں غائبی کو ساتھ
 حُسنِ عریاں ہو، ادھر عشرتِ رائے ماہ میں
 اُس طرف لہر اڑا ہے پرچمِ ابر بہار
 حُسنِ مجھ پر وار کرتا ہے تو چپ رہتا ہے تو

بحر میں برپا ہے طوفان اور سفینہ پاش پاش

باز میگونی کہ دامنِ تر مکن ہشیا رہا

مجھ سے پھر میں پوچھتا ہوں کیوں ستاتا ہے مجھے؟
 اب جیواں زہر ہو آنسو ہی پیونے مجھے
 کس لئے بیکار دیوانہ بناتا ہے مجھے؟
 زندگی کے راز سو واقف نہیں ہیں دے مجھے

ڈالتا ہی بار کوئی شاعر مدہوش پر ؟
 ڈالتا ہی بار ہی مجھ پر تو اچھا ڈال دے
 حُسن کے بکھری ہوئے ہیں بال میری دوش پر
 پہلے ان جلووں پہ لیکن بڑھ کر پڑا ڈال دے
 حُسن کو بیابان کیا کرنے نہ دے اس طور سے
 بجلیاں جس نخل پر رقصاں تھیں چل سکتا نہیں
 اور اگر یہ ہونہیں سکتا تو سن پھر غور سے
 تیری اس دنیا کا مجھ سے کام چل سکتا نہیں

میں پردوں کو تو لٹا ہوں آشیانے کو سنبھال
 یہ ہے دُنیا، اور اپنے کارخانے کو سنبھال

سہاگن بیوہ

نیک تلمیٰ اس گنگا کے کنارے وقتِ شام
 چرخ کی نیزگیوں سے گفتگو کرتا ہوا
 جارہا تھا اک طرف بشارت چلتا ہر کا نام
 رنگِ عرفاں، برف کی تصویر میں بھرتا ہوا
 بھاڑیاں تھیں سبز دریا کے کنارے جا بجا
 راہ میں جلے لگے تھے، پتھروں پر گر دہتی
 لابی لابی گھاس ہلتی تھی، پتا ور زرد دہتی
 جس طرح شادی کر خیمے کو اُلٹے ہوئے
 جمع تھے اس طرح تپتے جا بجا سوکھے ہوئے

جھاڑیوں سیویں بے پاؤں گذرتی تھی ہوا
یوں پڑے تھوڑے شاخ گل شکوفے چاک چاک
طاہر در ماندہ کوئی بول اٹھتا تھا اگر!
اور سنا سادہ جس میں ہو گم آوازِ رعد
اُس طرف نگہِ شفق تھا چرخ پر چھایا ہوا
خارِ خس پر تیلیاں ہر سو پڑی تھیں بے خبر
شام کا چہرہ غم پہاں سی کچھ اُتر آتا تھا
خود بخود تاریک ساحل پر بھر آتا تھا دل

بانسری کی دُور سے جس طرح آتی ہے صدا
جیسے گردشِ وقتِ صبح پر دانوں کی خاک
ایک سناٹا سا چھا جاتا تھا کوہ و دشت پر
دل پہ ہوتا ہی جو طاری نالہِ پیہم کے بعد
اِس طرف دل کوہ و صحرا کا تھا مہربان ہوا
ابر کے دو ایک ٹکڑے تھے پریشاں چرخ پر
پانی تھم تھم کر جو بہتا تھا تو سناٹا سا تھا
بڑھ رہی تھی تیرگی رہ رہ کو گھبراٹا تھا دل

کہہ رہا تھا رنگ، غم کا ابر چھا جانے کو ہے
ساخہ کوئی قیامت خیز پیش آنے کو ہے

جاتے جاتے ایک گوشہ کی طرف پہنچی نظر
دیکھنا کیا ہو کہ دریا کی روانی ہو اُداس
کانپ کانپ ٹھٹھی ہو جھل کی سیاہی بار بار
روشنی شعلوں کی اک پیشانی زریں پہ ہے
فرطِ غم سے رہ گیا شاعر کلچہ ہتھام کر
جل رہا ہے اک خزانہ، روشنی ہو آس پاس
اُٹھ رہے ہیں لاش و شعلے، فضا ہی بے قرار
ظلمتِ اندوہ بیو کے رُخِ غمگین پہ ہے
سرنوئیں بیٹھی ہے رُخ پر کا کلیں کھوڑ ہوئی

ہے رنڈا پاس پر شمشیر جھٹا تو لے ہوئے

کُنڈنی شعلے میں غلطاں چھپی رخسار میں
دل دھڑکتے ہی ہر جنبش سے گلہ کے ہار میں
اہتمام مرگ میں یہ شاعری لبریز یاس
ہاتھ میں مہندی رچی ہو بر میں چمکتی کالباس
آہ یہ عالم کہ اب تک مست ہو موج نسیم
آ رہی ہر جسم سے شادی کو پھولوں کی نسیم
کہہ رہی ہے کیا بتاؤں کیا تٹنا دل میں ہے
شع یہ کس کے جنازہ کی مری محفل میں ہے

خاک سے اٹھتی ہو پھر کرتی ہے شعلوں کا طواف

کہتی ہے اے شرم کی دیوی! مجھے کرنا معاف

مُڑ کے پھر میت سے کہتی ہو، اجازت دیجئے
آپ کو موت آگئی، عالم پریشاں ہو گیا
یاد ہے، ہاں، مجھ کو شادی کا ترنم یاد ہے
آپ کے سینے سے شعلے اٹھ رہے ہیں بار بار
پوچھے اُس سے، کہ دنیا کیا تھی اور کیا ہو گئی
پُھنک گئیں میری بہاریں جل گیا میرا سنگار
گھر مے سجھو بیاں، مل جل کے گانے آئی تھیں
آج قرباں کا ہر عبرت پر چڑھانے کے لئے
زندگی جادو رہو دنیا ہو آئیں کھوں میں اُجاڑ
اب تو اس ایندھن کو بھی جلنے کی رخصت دیجو
گھر، ابھی بسنے نہ پایا تھا، کہ ویراں ہو گیا
ہاں، انھیں ہونٹوں پہ آیا تھا نسیم یاد ہے
جل ہی ہو یہ مری اُجڑی جوانی کی بہار
جس نے گھونٹ بھی نہ اٹا تھا کہ بیوا ہو گئی
تیری بند آنکھیں ہیں میری نیندِ نیت کا مزار
مالین، پھولوں کا گہنا کل بچانے آئی تھیں
موت آئی ہے مرا زور بڑھانے کیلئے
موت اجلدی کر، کہ ٹوٹا ہو رنڈا پڑ کا پہاڑ

کیوں کھڑی ہو دو ریوں الی ہو تو توری پہ پل
مجھ کو بھی کھالی، متم ہو جھکواو ڈائن اجل
دکھتی ہو تو کہ میں ہوں کس قدر جینے سو سیر
اوسہ رو موت، غنی موت کیوں کرتی ہو دیر؟
دیکھ میرے رُخ پہ آنکھوں کی فراوانی کا سیر
اپنے جڑوں کو ہلا، تار یک غاروں کی چڑیل!
رینگ، ناگن رینگ! مجھ ہی کو ڈسنے کے لئے

کیا یہاں آئی ہے منہ اپنا جھلنے کے لئے

کیوں کھڑی ہو یوں الگ ٹھنی ہوئی سچ بتا
میری باتوں نے تجھے کیا موت! برہم کر دیا
یہ اگر ہو تو جھکا کر میں تے قدموں پہ سر
مانگی ہوں درگزر کی بھیک، مجھ پر جسم کر
لے مبارک موت، لے راز کمال زندگی
لے جہانِ خواہشیں لے مالِ زندگی
لے پیامِ روشنی! ستر بقا، تاج حیات!
لے نظامِ دہر لے رفتارِ نبضِ کائنات

میری ظلمت پر بھی ڈال اپنی انوکھی روشنی

آ، ادھر آ، شاہزادی عالمِ ارواح کی

کہہ کے یہ لپکی چتا کے سمت وہ نازک خرام
اور کہا، لے دکھ بھر و سنسار! لے میرا سلام
بس یہ سننا تھا کہ جھپٹے اُگی جانبِ اس بھی
دیکھتے ہی آپ کو، کم سن تو تھی، گھبرا گئی
ہر طرف پہلے تو دیکھا دل میں کیا کیا ٹھان کے
اور پھر گردن جھکالی، داس کو پہچان کے
ہو گئی فرطِ حیا سحر و غمگیں ہیبتِ ار
انگلیاں اپنی مڑوڑیں دیر تک، دیوانہ وار

حُسن کو آغوشِ غم میں نیند سی آنے لگی
 دی صدا دل نے، ترا پہلو تو سونا ہو گیا
 اک گھٹا دل سے اٹھی، ارضِ سما پر چھا گئی
 زندگی کے پاپ سے جلدی چھڑا دیجئے مجھے
 اہگ اس چھاتی میں روشن ہو، چٹا تیار ہو
 میں اکیلی ہوں، کوئی میرا نہیں سار میں

سہر جھکا، ماتھے پہ زلفِ ناز لہرانے لگی
 چُپ ہوئی، تو اور دردِ سجدہ دونا ہو گیا
 یہ صدا سنتے ہی دم اُٹھا، پھریری آگئی
 روکے پھر کہنے لگی، بباد عادی کجے مجھے
 آپ کی دای پہ اب اس جگ میں ہسنا بار ہو
 جھونک بھی دیجئے مجھے اس آگ کے انبار میں

داس نے پھر تو قریب آ کر بہ نرمی یوں کہا
 لے مری نادان بچٹی! سوچ تو کہتی ہے کیا

وہ ادھر کا مرتبہ ہے، یہ ادھر کی شان ہے
 موت ہو شیرازہٴ قانونِ تکمیلِ حیات
 "زندگی" ہے وقت کی پابند "موت" آزاد ہو
 موت ہو انساں کے لامحدود ہوجانیکا نام
 مرنیوالے اصل میں ہم سے جدا ہوتے نہیں
 ٹوٹ جاتا ہے قفس، طائرِ فنا ہوتا نہیں
 اتحادِ باطنی مرنے سے مر سکتا نہیں

مرنا جینا ایک ہے جن کو ذرا بھی گیان ہے
 زندگی ہے نقص سے معمور، اک مہل سی بات
 قوت کیسو، زندگی مجموعہٴ تضاد ہے
 زندگی ہے روح کو محدود کر لینے کا نام
 کہتے ہیں "فانی"، جنہیں ہم وہ فنا ہوتے نہیں
 قیدِستی سے کوئی ذرہ رہا ہوتا نہیں
 عشق کے مالے کا انوکھی بکھر سکتا نہیں

عشق کی شائیں کسی ادھی ہو جھک سکی نہیں
 زندگی بے روح آوازوں میں میتی ہو پیام
 موت سے عالم کی پہنائی پہ چھا جاتا ہو عشق
 زندگی کی موج پر کلبہ گزرتا ہے عشق
 موت کے گرداب میں حل ہو جاتا ہے عشق
 اس دئے کو موت کی جھونکی بچا سکتے نہیں
 عاشقی کے رشتہ محکم کو چھو سکتے نہیں
 روح اس تبدیل ہیئت سو فنا ہوتی نہیں
 موت اک باریک سا پردا ہو اور کچھ بھی نہیں
 ٹوٹتے دیکھے تو ہوں گے بارہا تو نے جواب؟
 رہتے ہیں دریا ہی میں لیکن نظر آتے نہیں
 مر کے بھی دریا کے سینے سے کہیں جاتے نہیں

یونہی تیری شمع سوزاں بھی تری محفل میں ہے
 مرنیو الا آنکھ سے اوجھل ہو لیکن دل میں ہے
 جو چٹا میں جل رہا ہو، وہ تری پہلو میں ہے
 کانپتے ہونٹوں میں ہو رہا ہو تو آنسو میں ہے
 یہ کہا شاعر نے، اور کچھ دیر آنکھیں بند کیں
 دیکھتے ہی دیکھتے بیوی کی آنکھیں کھل گئیں

ہنس کر پھر کہنے لگی، بابا نرا دسواں تھا دُور میں جسکو سمجھتی تھی، وہ میرے پاس تھا

یہ کہا اور دفعۃً دل میں چمک پیدا ہوئی

زلف میں تابندگی، رُخ پر دمک پیدا ہوئی

صحنِ غم میں بارِ عشرت کی ہوائ آنے لگی کان میں راحتِ کُنغموں کی صدا آنے لگی

زیر لب کہنے لگی، عالم ہے کیا تنویر کا دل مرا شیشہ ہو انکی چاند سی تصویر کا

ہے کوئی جلد آئے، شادی کامری ساں کرو بدھیاں آکر بچائو، مانگ صندل ہی بھرو

پھول برس میں جلد انگنائی کو بھرنے کیلئے زرفشاں طاؤس آئیں رقص کرنے کیلئے

ابر سے کہدو کہ میری زلف پر سایہ کرے جشن کی فیلوی کدھر ہے، بزم میں جلو آ کر

کہدو مشاطہ سے آؤ، رنج کھونے کیلئے خم بہ خم زلفوں میں پھر موتی پرونے کیلئے

عشرتِ جاوید، باندی ہو مرے احکام کی اب کھی اینرنگیاں عاجز ہیں صبح و شام کی

سرمدی نغموں کو ہر اب بٹمیے ساز سے آشیاں اونچا ہو میرا وقت کی پرواز سے

حکمِ رفاصہ کو دو چھاگل پہنکد پاؤں میں آئے پچھلی رات تاروں کی سُہانی چھاؤں

خاکِ تلی کی نظر سے رشکِ گلشن ہو گئی

معرفت میں ڈوب کر ہیں سُہا گن ہو گئی!

زندگی کا قہقہہ

نوجوانی میں مصائب سے ڈرتا ہے مجھے
عالم کیف و جنوں میں مارتی ہے ہمت ہے
ناصح ناداں یہ ہر وہ موسم برق و شرر
زندگی جنت کی آنکھوں میں نکھیں ڈال کر

بیرزم دل

یہ مانا اتقا میں ایک بھی ثانی نہیں اس کا
ابھی تک حافظے میں اسکو اتنا نقش باقی ہے
مگر، خاطی جوانوں پر کبھی سختی نہیں کرتا
کہ میں بھی اکٹا مانہ میں، شکارِ نوجوانی تھا

عالم اور شاعر

کل یہ اک عالم نے شاعر سے کہا، اے بے خبر
علم کی محفل میں ہستی ہے تری، نامعتبر
پیرِ مکتب سو نہیں مطلق شناسائی تری
علم کی مشعل نہیں رکھتی ہو بینائی تری
فضل تیرے واسطے اک لفظ بے مفہوم ہو
تیری پیشانی سند کے نور سے محروم ہے
تیرے رُبط میں ترانے علم و حکمت کے نہیں

سرمہ تیرے پیچ دستارِ فضیلت کے نہیں

سُن کے یہ گوہرِ فشانِ جبے ہی ل کونہ تاب
پھر تو شاعر نے دیا ہنس کر یہ عالم کو جواب
علم کے معنی حقیقت میں ہیں "دہشتن" اگر
علم سے مقصد اگر یہ ہے کہ ہو گہری نظر
علم اگر یہ ہے کہ انسان پر کھلے سترِ حیات
دیکھ لے اچھی طرح پست و بلندِ کائنات
علم اگر یہ ہے کہ دل ہو رازِ فطرت کے دوچار
روحِ انسانی پہ ہو جائیں حقائقِ آشکار
علم اگر یہ ہے کہ انسان رازِ ہستی جان لے
دل کے آئینہ میں اپنے خالِ خطِ پہچان لے

یہ اگر سچ ہے کہ علم اک صقیلِ ادراک ہے

پھر تو شاعر کی کیا ہے اور عالم خاک ہے

سوچ تو کچھ جی میں، اے سر حلقہ اہل شعور!
 نقص کے سانچے سے نکلام ردِ کامل بن گیا
 مل گئی رو دھوکے اک کاغذ کے پُرزہ پر سند
 جو سند ہے، محنتِ بیہودہ کرنے کے لئے
 ہوش میں آ، اے مجازی علم کو صیدِ نبوں
 علم اصلی اور ہے، علم کتابی اور ہے
 ہاں، یہ مانا، کچھ کتابوں میں بھی ہیں ہر ضرؤ
 یہ کتابیں کیا ہیں؟ کچھ علی خزانوں کی نشان
 ماہرِ جغرافیہ کتنا ہی کھاتے پیچ و تاب

صرف نقشے کی مدد سے اے گرفتارِ مجاز

کوئی دریا کی اُمنگوں کا سمجھ سکتا ہے راز؟

آہ، تو نقطوں کو نادانی سمجھتا ہے "بحرِ م"
 کاغذی گھوڑوں کو دوڑا کر بنا ہی شہسوار
 ملتے ہیں اُس دور میں بھی علم کے نقشِ قدم
 سامعہ تھا جب صریرِ کلک سے نا آشنا
 روشنائی کی کیڑوں کو سمجھتا ہے "علوم"
 کچھ خبر اسکی بھی ہے اے عالم بے اعتبار؟
 تھی ضمیرِ حق میں جب ایجادِ قسطِ اس و قلم
 سوچنے والے دماغوں میں تھا خزنِ علم کا

کس لئے حیران فکرِ دعویٰ باطل میں ہے
علم کا چشمہ کتابوں میں نہیں ہے، دل میں ہے

آسمان پر طائرِ سدرہ ہے میرا ہر صغیر
شاعر، اُس علی شجاع نوز سے ہے بہرِ یاب
”شاعری جزوِ سیاستِ پیغمبری“ آگاہ ہو
ہو، اگر ہے زندگی میں مجھ کو تھکسو رطن
”برفلک تابہ سحرِ شمسِ زنا رما“
تیرے گرد و پیش ہر دے دے کو مکتبِ کائنات
گامزن ہے فکرِ تیری سر سے کی راہ میں
تیری تابانی پہ مچھنوس کے احساں کل ہے داغ
میراثِ استاد سے آئینہ تیرا چھوڑ چو ر
مجھ کو تیرے کا شوق، تو حیران ساحلِ کیلئے
لوٹنا پڑتا ہے تھکاوٹ کی خاک پر
دائرِ حرفوں کے تیرے واسطے بحرِ علوم
تیرا لطفِ زندگی، اوراقِ گردانی میں ہے

دیکھا دھربانے مضحکہ خیز مہلا حوں کے اسیر
جس کو شہرِ علم کا بخشنا تھا اُمی نے خطاب
”جاہلانِش کفر خواند از خری“ آگاہ ہو
”شہرِ شہرِ مکتبِ گیتی بعدِ من خواہد شد دن“
”برز میں منصورِ افرادِ ستونِ دارِ ما“
اور شاعر کا کتب خانہ، طلوعِ آفتاب
اوپر ہی لیتا ہوں میں آغوشِ مہر و مادہ میں
میں خود اپنے خون سے دل کا جلاتا ہوں چراغ
آشیانہ ہے مرا پر وازِ انسانی سے دُور
تو ہے میرے کیلئے بیتاب، میں دل کیلئے
میرا نشتر ہے براہِ راست نبضِ تاک پر
اور یہاں پہناؤ گردوں پر چپکتے ہیں نجوم
اور یہاں روحِ الامیں کی بالِ جنبانی میں

کھا چکا ہے تیرے ہم چشموں کو طوفانِ مہمات
میرے ہم پیشہ میں اب تک لطف اندوزِ حیات
تیرا گوشِ عقل ہو گوارہ صورتِ خطیب
اور یہاں فطرت کے لبِ تیز پر کانوں سے قریب
تیرے ثانی لاکھ مل سکتی ہیں لاثانی ہوں میں
تو ہے تلمیذِ بشر، تلمیذِ رحمانی ہوں میں

عکسِ رخسارِ "ادب" در دلِ نہاں دارِ یکم ما
در دلِ دوزخ، بہشتِ جاوداں دارِ یکم ما
چیتِ خاکِ حیرہ، تاباں شد تماشا گاہِ ما
سیرِ ما در خویشتن، چوں آسماں دارِ یکم ما
(صائب)

پراسرار صدا

روز و شب آتی ہے ان کانوں میں اک شیریں صدا
کون اس پردہ میں ہو، گھلتا نہیں یہ ماجرا
رکھتی ہے حلقے میں جھکو ایک موجِ سوز و ساز
کرتی ہے میرا تعاقب اک صدائے دل نواز
ہر نفس اک درد اٹھاتا ہے نئے انداز کا
دل پہ گو گھلتا نہیں مفہومِ اس آواز کا
ہر صدائے سینہ پہ میرے بارِ غم رکھتی ہوئی
کانپتی آتی ہے اشکوں پر قدم رکھتی ہوئی
یہ صدا، جیسے ہو کوئی روحِ گہرائی ہوئی
روز و شب رہتی ہے میرے قلب پہ چھانی ہوئی

اور بالخصوص جب تاروں کی ہلکی چھاؤں میں رقص کرتی ہے صبا، چھاگل پہن کر پاؤں میں
 دکھتی ہے ایک پرچھائیں سی حیدانی مری
 اور کسی کی سانس ٹھہولیتی ہے پیشانی مری

دیں داری

ہم نشیں ہر شکل سے آئینہ گاتھے اس کا یقیں
 اک سکوں سا زلزلوں کو قلب میں مانندِ راز
 تلخینوں میں شہد کی بے رنگ سی اک نرم موج
 دینے بے نو میں اک بھولی بھٹی سی نگاہ
 شیب میں اک بے نشان سی زردنویرِ شیب
 سینہ بہن میں اک نا دینے سی دلکش لچکٹ
 ظلمتوں کے دائرے میں ایک صلیبی سی کرن
 دیو کی ہے ہر نفس کیا کیا نگاہِ دور میں
 خامشی میں ایک ہم سا سروِ دجاں نواز
 پستوں کے سایہ میں ہندلی سی اک تنہیلِ اوج
 شب کی تاریکی میں اک کھویا ہوا سگسِ ماہ
 بیوگی میں ایک بے جاں سی عروسی بے تاب
 خار و خس میں نبضِ گل کی اک ملائم سی ہمک
 جھاڑیوں کی شب میں ایک مہم سا خوابِ بہن

محرم رازِ نہانِ روزگارِ مکرودہ اند

تا بحرِ فہم گوشِ نہدِ خلق، خواہم کردہ اند (غالب)

شکستِ غم

رُخ پہ ڈالے ہوئے سیاہ نقاب غم نے آکر کیا یہ مجھ سے خطاب
 مجھ کو بھیجا ہے لالہ زاروں نے تیری گزری ہوئی بہاروں نے
 شمعیں ماضی کی خواب گاہوں کی تجھ سے طالب ہیں سرد آہوں کی
 خواب پیشیں نے تیری دی ہوئی رائے اب نہ تیری پلک جھپکنے پائے

اُس تبسم نے، تھا جو وجہِ منمو

تجھ سے مانگے ہیں خون کے آنسو

جوشِ اسن کر یہ داستانِ ستم میں یہ کہتا ہوا بڑھا سوئے غم
 اہل دل، جز ترے کسے چاہیں؟ آ، کہ گردن میں ڈال دوں باہیں

جب ملا غم کو یہ لطیف جواب

مسکرا نے لگا اُلٹ کے نقاب

بیمبائے بددعا

جو بن پڑے گا، تو سب سے بڑی سزا دوں گا
 ملے نہ آتش و دوزخ کی جھکوزم سزا
 زمانہ ساز بجھے میں یہ بددعا دوں گا
 ملے وہ سوز جو ہوتا ہے شاعروں کو عطا
 جبینِ زلیت پہ پڑنے لگے نگاہ تری
 کلی کو خار کے کانٹے پہ تولنا آجائے
 تڑے خمیر کا لوہا رستہ میں ہو جائے
 ہر ایک ذرّہ ناچیز، جزوِ دل ہو جائے
 کہ تیرے قلب میں چھپے لگو گلوں کی تھیم
 تڑے دیار میں طوفانِ آرزو آجائے
 خدا دو چار کرے طولِ زندگانی سے
 نظرِ مالِ تبسم سے آشنا ہو جائے
 نہ بہرہ ور ہو کبھی مرگِ ناگہانی سے
 درحیات، تری چٹم دل پہ وا ہو جائے

بلائے قہرِ خدا بجھ کو دیدہ ور کر دے

لطیف کر کے حیوں کو لطیف تر کر دے

ناقابلِ فہم

جیراں ہوں، آجکل یہ کیا زندگی کا طور؟
 اک آن میں امیر ہوں، اک آن میں عجز
 ہر لمحہ ایک فکر ہے، ہر آن اک کرید
 پھیکا سا اک لبوت پتہ ہم بھجسا دل
 چھائی ہوئی ہوا برکی صورت دماغ پر
 سینے میں چھ رہی ہی مے ایک موج نور
 موج سحر سے ظلمتِ شب کو تراش کر
 کچھ جہنی زبان میں کرنی ہے گفت گو
 رہتا ہے گرد و پیش اک ایسا جہان خواب
 ساکن ہوں اور خیال ہو آواں کو بے کو
 ہر وقت اک نکوت ہے، ہر آن ایک غور
 خودی ہوں فاصلے پہ کبھی اور کبھی قریب
 اور کیوں ہو کس بنا پہ ہی کھلنا نہیں یہ سید
 ہر دم خود اپنی ذات سے اک گوشتِ منفعیل
 سنجیدگی، رموزِ ابد سے عسیق تر
 دل سے قریب، فہم سے بالا، نظر سے دور
 کرتا ہوں کوئی روزا نشائے، کہ آدھ ہر
 راتوں کو اک بعید سی موعوم آرزو
 جس کا غروب ہی نہیں ہوتا ہی آفتاب
 کس چیز کی تلاش ہو؟ کس شے کی جستجو؟

خود اپنے دلولوں کو بھی پہچانتا نہیں
 کس سے کسے کے موڑ پہ ہوں، جانتا نہیں!

گلابی نور

فیض سے اپنے بنا دیتا ہے ہر شے کو جس
 فہم کی آنکھوں سے اس کا سلسلہ ہوتا ہے دور
 فاصلے پر ہر حد و عقل و دانش سے جدا
 پاس سے ان میں نظر آتی ہیں کیا کیا خامیاں
 خار ہیرے کے نظر آتے ہیں اور کندن کے پھول
 ڈال دیتی ہے رُخِ اشیا پہ لگی سی نقاب

بُعدِ چاہے معنوی ہو، خواہ صوری، ہم نشیں
 بخشی ہے اس لئے بازیگری دل کو سُرور
 جانتے ہو، کیوں ہیروں و جدان پر چھایا ہوا
 یہ چراگا ہیں، یہ جواں، یہ چمن، یہ بوستاں
 دُور سے دیکھو، تو خوش آتی ہر ادنیٰ سی بول
 کیف کی بھی ہے یہی حالت کہ جاں پرور شراب

سُرخ ہو جاتی ہیں جب آنکھیں گلابی نور سے
 دیکھنے لگتا ہے اس دُنیا کو انساں دُور سے !

حیوان

مجرموں کو اس قدر شدت سے کہتا ہے شریہ
 یہ عایت کا محل ہے، رحم کرائے خوردہ گیر
 میں نے یہ مانا، کہ انسان میں ہر وہ روح عظیم
 جس کے آئینے میں ہے تصویر یعقوب و کلیم
 ہاں، یہ سچ ہے، آدمی ہر وہ وجود سرفراز
 خود دلِ صنم جن وانس کو ہے جس پہ ناز

یاد رکھ، لیکن، یہ نکتہ بھی، اگر انسان ہو
 کچھ ہو، انسان، اک ترقی یافتہ حیوان ہو

لذتِ گریہ

ایک لذت، لطیف، صلی سی
 جیسے بُو، ناشگفتہ کلیوں کی
 جاں فزا، حرفِ دل نشیں جیسے
 طفل کا خوابِ شکر میں جیسے
 جیسے ہلکے سے ابر میں خورشید
 خواب میں جیسے روئے یار کی دید

بن میں جس طرح جھومتی برسات
جیسے کوئل کی دُور سے کو کو کو
موسم گل کی جیسے پچھلی رات
مست، جیسے عروس کی خوشبو
دل میں جس طرح مے کشی کی ترنگ
دھوپ میں بوندیوں کا جیسے رنگ
نرم، بعلِ شکر فشاں کی طرح
دل نشیں، مرگِ ناگہاں کی طرح
الغرض، وہ فنوں انزلِ دست
جس میں غلطاں ہے گو ہر عشرت

رات جس وقت بھینگ جاتی ہے
میرے آنکھوں میں مسکراتی ہے

خلفشاں

اک صد اسینے سو مجھ کو آ رہی ہے بار بار
ہے کچھ ایسی کشمکش، اس کا ہلِ مداویں
ہو نہ ہو، کوئی مدد کیو اسطے ہے بیقرار
صید جیسے پھر پھر پڑے پنجِ مہیا دہیں
تیرگی وہ ہے، چراغِ جستجو جلتا نہیں
دیکھتا ہوں ہر طرف لیکن پتا چلتا نہیں

حملہ آور عشق پر عقلِ فرومایہ نہ ہو
دل پہ دُنیا نے دنی کا یہ کہیں سایہ نہ ہو

مونی یا شبنم

اک دور وہ آئیو والا ہے، دنیا کی خوشی مٹ جائیگی
 آئینہ فروغِ طلعت کا، چٹ جائیگا دستِ زمیں سے
 چلے میں قدم تھرائیں گے، اٹھنے سے نظر مٹ جائیگی
 قدیلِ حیاتِ فانی کی، ہر سانس میں لو تھرائیگی
 اس حسنِ کشیدِ قامت کی، بل کھا کر کھجک جائیگی
 بدستِ جوانی کی آنکھیں جس چیز کو "مونی" کہتی ہیں
 دیکھنے کی جو پیری جھکے اُسے، اک قطرہ شبنم پائے گی

جوانی کا بستر مرگ

سبقِ عبرت کالے نادانِ بالوں کی سفیدی سے
 کفن اوڑھا ہی جیتے جی نگارِ زندگانی نے
 نظر کر گئے بچوں سے شیب کے سٹے ہوئے رخ پر
 یہ وہ بستر ہے، دم توڑا ہر جس پر نو جوانی نے

ظلمتیں

تیرگی لپٹی ہوئی ہو دہریں، ہر صبح کے ساتھ
 عہدہ کرتا ہیماں ہر راستہ رہو کے ساتھ
 لعل شیریں کے تبسم میں ہو غلطاں آہ سرد
 ظلمتوں کی آرو بھی ہو قدیلنِ رکی لو کے ساتھ
 ہم نفس! باایں ہمہ بزانی و انسون گری
 بیوگی کا دبہ بھی ہو عروسِ نو کے ساتھ
 اس قدر بھی ناز فرماتا ہو کوئی لے حسن
 دھوپ بھی ہو ابرزگارنگ کے پرتو کے ساتھ
 حُسنِ شیریں و غور تاج کے ہوتے ہوئے
 نیشہ فرہاد کا دھڑکا بھی ہے خمر و کے ساتھ
 آئین میں رات کو چپکے سے پا جاتا ہے بار
 قندیلِ ظلمتِ نشاں بھی رشقی کی رو کے ساتھ

ڈوب جاتا ہو تڑپ کر سینہ دریا میں جوش

سوزِ ہیچ و تاب بھی تنویرِ ماہِ نو کے ساتھ

روشنیاں

صرف ظلمت ہی نہیں ہے، دیکھتے توئیریں بھی ہیں
 جس جگہ خورشید کی حدت ہے، عالم خموش
 جس جگہ مایوسیاں ہیں گردِ دُش تقدیر سے
 جس جگہ ژولیدہ عقدوں ہیں عینکس سترگوں
 جس جگہ منڈلا رہی ہیں مبہم و تاریک خواب
 جس جگہ تغیر کو نمایاں ہے ذوقِ نقشِ رنگ
 جس جگہ پانی میں ہے زہرِ ہلاہل کا اثر
 جس جگہ دوڑی ہوئی ہیں سنگسار کی رکیں
 کاوشِ تخریب کی لچل میں تعمیریں بھی ہیں
 واں کسی دیوار کے سایہ میں تقریریں بھی ہیں
 واں کہیں امید کی پوشیدہ تدبیریں بھی ہیں
 واں حیاتِ مرگ کی تابندہ تفسیریں بھی ہیں
 واں کسی گوشہ میں ان خوابوں کی تعبیریں بھی ہیں
 واں کہیں آئینوں میں نیکیں تصویریں بھی ہیں
 واں ہوا میں چٹنہ حیوان کی تاثیریں بھی ہیں
 واں درختاں چہروں کی نرم تحریریں بھی ہیں

ٹوٹتا ہے سلسلہ کب زلفِ عنبر بیز کا

میں نے مانا طوق بھی ہے، جوش، زنجیریں بھی ہیں

اضطراب

نظر آئی اک قبر کل رات مجھ کو گذرتے ہوئے راستے کے کنارے
 مچلنے لگے میری آنکھوں میں آنسو جھپکنے لگے آسمان پر ستارے

موت کا پھریرا

جن ذہین و ماہِ رُخ بچوں کی تقدیر و نہیں جوش غنچگی کے عہدی میں نکلتی ہوتی ہے قضا
 پیشتر ہی سے پھریرا موت کا با صبر جلال اُن کی آنکھوں میں نظر آتا ہے ہسراتا ہوا!

انگاروں کی دہک

ہم نشین آیا ہوں دردِ دل سنانے کیلئے
توڑ ڈالی تھی سواری ہر ماںِ خام نے
چاندنی چھلکی ہوئی تھی اور تھا پچھلا پہر
بولنے والی تھیں کلیاں بہنوئے تھیں کلاب
جاگنے والی تھی دنیا پھر نئے انداز سے
دور تک تانبے میدان تھا، کہ بحرِ صوفشاں
راہ تھی افسانہِ ماضی کو دوہراتی ہوئی
تھی، تو کہنے کو خموشیِ عالمِ ذرات میں
یہ سماں، اور آ رہا تھا ہیں عجیبِ انداز سے
تھا لبوں پر علِ شیریں کی حلاوت کا اثر
حُسن کے فیضِ تبسم سے نظر کے سامنے
ہو رہا تھا قربتِ جاناں کا دھوکا بار بار

آج آمادہ ہوں سوتوں کو جگانے کیلئے
اور تیرہ میل کا پیدل سفر تنہا سامنے
موجزن سیال چاندی تھی بساطِ خاک پر
جھللاتی تھیں ستارے جھک چلا تھا ماہِ تاب
سونے والے چونکنے ہی پر کھو خوابِ ناز سے
حاشیے تیرہین پہاڑوں کی رو بہلی چوٹیاں
مقبروں کے درمیاں سپرچِ دُخم کھاتی ہوئی
لیکن ایسی، جیسے رن لوبے اندھیری آت میں
ایک متوالی جوانی کی حسِ یکمِ ناز سے
لرزش متانہ کا طوفان تھا ہر گام پر
موتیوں کے سے فضا میں بن ہو کھو دائے
آ رہی تھی متصلِ شانوں سے بوسے زلفِ یار

فرق پر پختا، ہستاب، اور روح پر عکسِ حبیب
 آگیا میں جھومتا، القصد، دریا کو قریب
 دیکھتا کیا ہوں، کہ ہلکی چاندنی ہر پاش پاش
 جل رہی ہے ساحلِ "موسیٰ ندی" پر ایک لاش

چاندنی ہر اپنی برنائی پر پشہ مانی ہوئی
 تقرنی ساحلِ بہتری آگ، ہلکا سا دھواں
 کپکپاتی سی زمیں، گھلا ہوا سا آسمان
 چاندنی میں آج کی سُر جی ہو اُونمیں گداز
 سُرخ انکاروں کی چادر، پُرفشاں چنگاریاں
 بھیس میں چنگاریوں کو نعلِ رُخسار لہو
 کڑو فر، پندار زر، ذوقِ ادا، کچھ بھی نہیں
 آج کی عنناک جنبش کے سوا کچھ بھی نہیں

دُور تک گونجی ہوئی ہی یہ صیلے دروناک
 دُور ہیں اب، زندگانی وقف تھی جن کیلئے
 "آدمی" بن کر نہ اتر اس قعرِ رائے "تیرہ خاک"
 عمر نے رائیں جگانی کھٹیں اسی دن کیلئے
 "زندگی" کیا تھی تری لے دے کو اتنی کائنات؟
 آج خاکستر ہو کہتے تھے جسے کل تک "حیات"
 آہ اے موجِ نفس پر کانپو دالے جواب!
 موت کے کاغذ پہ تیری حسرتیں تلتی نہیں
 ان مناظر سے بھی کیا آنکھیں تری کھلی نہیں

ناسزا اوہام کو، نادان! ٹھکراتا نہیں!
 خاک کے ناجیز پُتلے ہوش میں آتا نہیں!

مرگ و موسیقی

دھوپ میں اک گداے راہ نشیں کچھ سروپا کا جس کو ہوش نہیں
 نہ تو بے تاش ہی ہے اور نہ ملول دیر سے ہے سرود میں مشغول
 نعمہ آواز ہے غبار کے ساتھ دف کی آواز ہے ستار کے ساتھ
 زلزلے ہیں دلوں کی جنبش سے نیم حلقے ہیں سننے والوں کے
 نغمے اس طرف، اُدھر ہے سکوت دُور سے آ رہا ہے اک تابوت
 اس طرف لجن زندگی کی صدا اُس طرف موت کا ہے سناٹا

اے تختِ شل یہ طُرف کی کیسی؟

ایک مرکز پہ مرگ و موسیقی!

امیر متکبر سے

شاعرانِ خستہ سے ملتی نہیں تیری نگاہ
خاکساروں کی طرف سے جب گزرتا کبھی
یہ اکڑ ہی درحقیقت کھوکھلے پن کی دلیل
کھول دے پیشانی دولت فروشی سے گرہ
بارگاہ و حاجبِ خدام و دینار و درم
ہاں سمجھتا ہوں کہ تیرا طرفِ کلاہ!
پھر بھی، غمگین خاک کے پامالِ فروغ کی طرف
اللہ اندیشہ تجرُّ، اے امیرِ خود پسند!
یوں اکڑ جاتا ہو گویا کھینچ رہا ہو بند بند
نرم کر گردن کے خم کو، کھینچ لے باگِ بند
پھینک دو دوشِ امارتِ تختہ کی کمند
ہاں یہ مانا، تو ہر ان نسبتوں سے بہرہ مند
آسماں کیا؟ بلکہ ہی عقدِ ثریا سے بلند
اس حقارت سے نہ دیکھ لے آفتابِ رحمتِ بند

"در سفالیں کا سہ رنداں بخواری منگد

کبیں حریفانِ خدمتِ جامِ جہاں ہیں کردہ اند" (حافظ)

بیکاری

محبوبانِ بیکاری ہے راہ میں نٹ
رہروں کے لگے ہیں ٹھٹھک ٹھٹھک
ہند میں، اے ہجومِ حیرانی
کتنی ہے وقت کی فراوانی

خانی

اک گدراہ میں ہے نغمہ فروش
گر دبیٹھے ہوئے ہیں سبے نوش
کیوں جھجکتا ہے لطف اٹھانے سے
غول میں مل کے بیٹھ جانے سے
بستہ زلفِ تنگ و نام ہے تو
جوشِ ابھی شاعری میں خام ہے تو

دُعا

اے ضعیفہ! یہ ماجرا کیا ہے
سیکڑوں تربتیں ہیں پیشِ نظر
سچ بتا، یہ جتنے ہو کیا ہے؟
خود بھی بیٹھی ہے ایک تربت پر
تم سو سو برس جیو با با!
پھر بھی دیتی ہے رہروں کو صدا

عید ملنے والے

کہوں کیا دل پہ کیا کیا ہوتا کہ لامِ سہتا ہوں
نہ پوچھ اے ہمنشیں! کیوں عید کو دن سُست ہوتا ہوں

وہ صدے جو لگے رہے ہیں آسائش کی گھاٹوں میں
وہ چہنمہ غم کا سینے سے زمیں کے جو اُبلتا ہے
وہ غمگیں کروٹیں جو آسماں شب بھر بدلتا ہے
وہ جھوٹی راحتیں جن سے پتاں ہیں درد کے پہلو
وہ پھیکے قہقہے گرتے ہیں جن کی فون کے آنسو
وہ کوئٹہ غم کے، روحوں کو افق پر جو لپکتے ہیں
وہ دنیا سکیاں بھرتی ہی جو تاریک راتوں میں
وہ دل جو سینہ زورات میں پیہم دھڑکتے ہیں

وہ جھونکے نرم جن میں رات بھر دم ہی نہیں لیتی غریب انسانیت کی مسرت و عنناک موسیقی
وہ دل مشغول ہیں جو زندگی کے درمچہ پیہم میں وہ آنسو، جو ہیں غلطاں دیر، اشیائے عالم میں
صبح عید کے جس وقت جلوہ مسکراتے ہیں
یہ سب روتے ہوئے مجھ سرکلے ملنے کو آتے ہیں

عنکبوت

شام کا وقت، مقبرے کی ہوا غم میں ڈوبا ہوا ہر اک ذرّہ
دل میں بیدار عاقبت بینی جھٹ پیٹے کی اُداس رنگینی
وسط میں مقبرے کے اک میدان اور میدان میں کھیل کے سامان
قاعدے سے تننا ہوا اک جال غرق ٹینس کے شوق میں اطفال
آ رہی ہے یہ تریتوں سے صدا بچو! اس آئے تم کو خوش رہنا

چرخ ہستی پہ تھے ستارے سو
ہم بھی تھے ایک دن بختارے سو!

مقدس رات

ظلمتِ شب آج ہے وہ دل نواز
دل کے روشن ہو رہے ہیں سب نقوش
روح ہے نورِ سحر سے بے نیاز
تیرگی ہے آج کی آئینہ ساز
حاصلِ صدفِ نغمہ اسرار ہے
آج کی شب کا سکوتِ دل گداز
دل سی شے سے باوجودِ اتصال
ہو رہا ہے دُور سے رازِ دنیا ساز
اس طرح ظلمت میں بیٹھا ہوں خموش
جس طرح آسودہ ہو سینے میں راز

اذان

اُفتی سے سحرِ مکرانے لگی! مؤذن کی آواز آنے لگی
یہ آواز ہر چند فرسودہ ہے جہاں سوزِ صدیوں سے آلودہ ہو
مگر اس کی ہر سانس میں متصل
دھڑکتا ہے اب تک محمد کا دل

کس مکش

عقل جبراً ہے، ہو تو کیونکر ہو؟ نترج اسرار، بن نہیں پڑتا
 جانتا ہوں کہ کچھ نہ کچھ ہے ضرور پھر بھی اظہار، بن نہیں پڑتا
 دل کو اقرار میں تامل ہے
 اور انکار بن نہیں پڑتا

پامالی

آج ہنگام سیر، لے ہم دم! آگیا ایک پھول زیرِ قدم،
 پھول اور موت کے اٹھائے ناز دیکھ سے اک آئی دردناک آواز
 ہائے کیا فترت تھی یہ پامالی
 میں نے اک زندگی گچھل ڈالی

خونی بینہ

روح بے چین ہے، خاموش ہوا رُوح کے بینہ
 بچہ میں آواز ہے فولاد شکن تیروں کی !
 کتنی ماؤں کے کلیجے کی ہیں قاشیں بچہ میں
 کتنی روندی ہوئی لاشوں کی ہر سردی بچہ میں
 کتنی خوابیں ہیں مایوس نگاہیں بچہ میں
 تیرا ہر راک ہے ڈوبا ہوا چشمِ کم میں !
 سسکیاں بچہ میں ہیں غلطیدہ دل افکاروں کی
 تیری ہر تان میں پوشیدہ ہیں لاکھوں آنسو
 گم ہیں رستے ہوئے زخموں کی بہاریں بچہ میں
 نغمے بے ہیں تری، خون کے فواروں کا

اس طرح صبح کی محمور ہواؤں میں نہ آئینہ
 سنا ہٹ ہے لچکتی ہوئی شمشیروں کی
 کتنے مہیاں جوانوں کی ہیں لاشیں بچہ میں
 کتنی بیواؤں کو چہرے کی ہے زردی بچہ میں
 کتنے معصوم بچیوں کی ہیں آہیں بچہ میں
 رقصِ خونی کی دھمک ہے ترے زیرِ وکم میں
 کروٹیں موت کی ہیں گت میں ترے تاروں کی
 تیری آواز میں غلطاں ہے جوانوں کا لہو
 خنجروں کی ہیں چلی ہوئی دھاریں بچہ میں
 زمرہ بچہ میں ہے چلتی ہوئی تلواروں کا

تیری آواز جب احساس پہ چھا جاتی ہے
 موت کے دل کے دھڑکنے کی صد آتی ہے

اب تک

بے تعارف بھی کہن سال مسلمان اب تک
آتے ہی رو برو میہ، مجھ کرتے ہیں سلام
سخت حیران توں کہ اس شق گنہ کو باوصف
ثبت ابھی تک ہے ہماری شکل پہ پُہرِ اسلام !

بادشاہ کا جنازہ

کھڑے ہوئے ہیں مکر بستہ حاجتِ دریاں
دبا ہوا ہے کفن سے جلالِ سلطانی
بچھا ہوا ہے پئے خاک، خاک کا بستر
وہ خلق جس کی گرج میں بٹھا شورِ بادِ سموم
اُڑا ہوا ہے رُخِ شانِ خسروانہ کا رنگ
دیکھ بند ہے دولت پہ عیش و عشرت کا
نکل رہا ہے حرم سے جنانِ سلطان
جھکا ہوا ہے سرِ نازش جہا نسانی
نظر جھکائے ہوئے ہی، غرورِ تاج و کمر
نفش کی آندوشد کی بھی آج ہے محروم
قضا کے سایہ میں ہی نازِ افسر و اورنگ
مقامِ عجز میں ہی طنطنہ حکومت کا

ادھر ہیں اہلِ قلم غم سے سر جھکا کر ہوئے
بتاؤ ہے کوئی ایسا سپاہیوں میں جم ال؟
قضا چلی ہے لئے شہ کو سونے گشتہ تار
کہو طبیعت سوتے ہوئے کو چو نکادے
ادھر کھڑے ہیں سپاہی پر جہاڑ ہوئے
چھڑا لے موت کی چٹائی سے دامنِ سلطان
بڑھے، کدھر ہی شہنشاہ کا سپہ لار؟
عروقی مُردہ سلطان میں خون دوڑا دی
دفینہ دفن نہ ہونے دے اپنی سلطان کو
صدا دو کوئی خزانے کے ساز و سامان کو

صبح تاج پہ چھائی ہوئی ہے ظلمتِ شام
چمک رہا ہو مگر وجہِ رپ ڈوالا کر ام
نخل ہے خاک کے پتلے کا رعبِ عزت و جہا
زبان دہریہ ہے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ!

جہانِ دوست

شکوہ ہے خیرِ غبار کی عریانی کا
حدتِ مہر سے فریادِ ہمیشہ لب پر
اور ابھی دوستِ رخسہ نہیں الٹی ہو نقاب
ہائے وہ وقت، کہ جب شوہر کا کیا مہتاب!

انکشاف فطرت

آدمی بزم میں دم گفتار لب پہ جب کوئی حرف لاتا ہے
درحقیقت خود اپنے ہی حق میں کچھ نہ کچھ فیصلہ مٹاتا ہے

ضبطِ گریہ

گرا نہ آنکھ سے آنسو فریبِ قہر پر سکون جس سے ہو وہ اضطراب پیدا کر
مژہ میں روک لے آنسو، کہ دل ہو آئینہ ستارے تو طوفان اور آفتاب پیدا کر

رک تلاش

اگر مجھ کو بتانا ہیں، مجھ کو دل کے داغ
 نہ ڈھونڈنے کی غلطی ہو آفرینِ شبِ فراغ
 سمندر صحرایں کو تیز تر کر دے !
 یقین حق کا اگر جھللا رہا ہے چراغ
 شراب خانہ ذوقِ جنوں میں داخل ہو
 چھلک رہا ہو اگر زہر سے خرد کا ایاغ
 جلالِ صافِ پرور سے انس پیدا کر
 اگر جمالِ کاملتا نہیں ہو تجھ کو سراغ
 اگر اُچاٹ ہے گلیاں گِ غدا لب سے دل
 تو بن خدا کیلئے محرمِ ترانہ زراغ
 بتوں کی کاہل پیچاں میں دل کو الجھا دے
 اگر خدا سے بناوت پہ مضطرب ہے دماغ !

آبِ کینہ

ہم حجابِ آسائیں، لازم ہے کہ جب ہم سو لو
 ظنِ غالب ہو، اہانت کا کہہ ڈالت کا یقیں
 دوستو! باریک بینی کو خدا کا کام لو
 اہلِ دنیا کو دلوں کو توڑ دے ممکن نہیں
 مشتبہ ساکِ تجھڑ، ایک مبہم سا غرور
 شیشہ شاعر کو کر دیتا ہے لیکن، چور چور

چراغِ عظمت

تھا سکوں جب کار فرما عالم اسباب میں میں نے دیکھا ہم نشین! پچھلے پہر یہ خواب میں
 رگھندر میں بادِ صحر کی بصد شانِ چراغ جل ہاؤ طاقِ زریں، ایک تیرے کا چراغ
 خندہ زن ہر صبح پر جس کی درخشانِ سورت نور سے جس کے فروزاں ہو جبینِ کائنات
 تُو دُوبے پروا ہوائیں جس کو پاسکتی نہیں چل رہی ہیں آنندھیاں لیکن بجھاتی نہیں
 دل میں یہ آیامی محفل میں جل سکتا یہ کاش پاس جاتا تھا کہ اک آواز آئی، ”دورِ بکاش“
 ہے یہ تیرا ہی چراغ، اے شاعرِ رنگیں صفات لیکن، اس سو فیض اٹھاتی نہیں تیری حیات
 اس کو پاسکتا نہیں تو بزمِ عشرت کے لئے یہ تو ہے نادان! تیری لوحِ تربت کے لئے

ہوگی تیری تیرہ فتمتِ زندگی جب خواب میں
 جگمگائے گا یہ تیری موت کی محراب میں

یاد کرنا

جس وقت شباب پر ہوں ساون فردوس بریں ہو صحن گلشن
پھولوں سے بھرا ہوا ہوں دامن دشوار ہو فرقِ دوست و دشمن

اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا !

جب یاد گذشتہ آنجن ہو ماتھے پہ ملال کی شکن ہو
سینے میں کشاکشِ محن ہو غربت میں تصورِ وطن ہو

اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا !

جب پارہٴ سنگ یوں اچھالیں دھوکے میں گہر کو لوگ اٹھالیں
جب بے ہنزون کی سخت چالیں اربابِ ہنر کو روند ڈالیں

اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا !

جاڑوں میں جب آگ کے کناے راتوں کو ہوں جمع دوست سارے
آنکھوں میں ہوں کیفِ کثرائے گردوں پہ چمک رہی ہوں تارے

اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا !

جب غرقِ خودی ہو شہسپاری دربارِ پہیلتیں ہوں طاری
غیرت ہو شکارِ بے قدراری زحمتی ہو غمِ وِرخا کساری
اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا!

ساحلِ پہ ہو جب ہو اُنے سنبلی ہو رامنش و رنگِ و بادۂ دگل
ساقی کی نظریں ہو تجستل سینے پہ چل رہی ہو کاکل
اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا!

جب رات کی تیرگی ستائے اور نبضِ حیات چھوٹ جائے
جب نیند کسی طرح نہ آئے اور صبحِ افق سے مُسکرائے
اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا!

جب روح کو عشقِ یوں جگائے دلِ بغض و عناد بھول جائے
باطنِ پہ وہ رنگِ دوست چھائے دشمن کی ادا پہ پیسا آئے
اُس وقت مجھے بھی یاد کرنا!

ہوشیار

خانقاہوں سے بچا دامن، کہیاں بہرِ شکار بیٹھے ہیں دیکے کہیں گاہو نہیں، نقلی دیندار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!

زرِ کھن ہیں سادہ لوحی تو مریدانِ جہتیر بات پھیلانے ہو تو ہیں صوفیانِ ذی وقار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!

دل کی آنکھیں بھی کھلی رکھتے ہوں ان آنکھوں کی آہ ایسے اب کہاں ہیں عابدِ شبِ بنِ دار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!

عالمانِ دیں کی دستارِ نوئیں آتے ہیں نظر وہ بلا کے پیچِ دخمِ جن سی ہوں اژدرِ شترسار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!

شیعہ وئی میں اب تک صرف ان کو فیض سے
ایک ننگِ بچتہن ہے، ایک ننگِ چاریار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!
ڈالتے ہیں اس جگہ قبروں کے شمع و گل سچال
کھیلنے ہیں اس جگہ محرابِ منبر سے شکار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!
جُرم کی تاریخ کہتی ہے باواز بلند
محرموں سے بڑھکے اس فن میں ہیں مفتیِ پختہ کار
ہوشیار!

اے مردِ مومن ہوشیار!

شیطانی زہد

کیا قیامت ہے ایزد باری
ہاں غلط ہے کہ ہر جگہ شیطان
بلکہ دیکھا گیا ہے یہ اکثر
راہ بد ہی نہیں دکھاتا ہے
کشتی اتقا کو کھیلتا ہے
پیش کرتا ہے خلد کے لذات
جب شرارت کی حد پر آتا ہے
یہی کہہ کہہ کے راہ کرتا ہے گم

زہد کے بھیس میں گنہ گاری!
جمع کرتا ہے کفر کے سامان
کہ یہ ظالم عدوئے نفعِ بشر
بلکہ "دیندار" بھی بناتا ہے
حفظِ قرآن کا ذوق دیتا ہے
دل کو کرتا ہے مائلِ خیرات
بھیک ننگو اکے چ کر آتا ہے
کہ خدا کے ہو خاندان سے تم

برنر از جملہ ماسوا ہو تم

یعنی بندے نہیں، خدا ہو تم!

پندارِ عباد

شب کو اک واقعہ عجب دیکھا
 آب و آتش میں اضطراب سا تھا
 بدلیاں تھیں فلک پہ زیر و زبر
 فاقہ کش، دردمند، سینہ فگار
 ہونٹ سمٹے ہوئے، جھبکی پلکیں
 سسکیوں سے گرہ سی آہوں میں
 شدتِ تشنگی سے رہ رہ کر
 ناتوانی پہ رات کھٹی بھاری
 لپکپاتی ہوئی کھٹی موج ہو ا
 بزم ارواح میں تھا اک کھرام
 سامنے اک منالشی دیندار
 اس طرف ایک بستہ رنجور
 راہ کھتی تنگ اور تنہا ہوا
 آسمانوں پہ بیچِ دُتاب سا تھا
 اورنگی کے اُداس ذروں پر
 کروٹیں لے رہا تھا اک بیمار
 چہرہ دھندلا، بجھی ہوئی آنکھیں
 موت کی بے رُخی نگاہوں میں
 پھیرتا تھا زبان ہونٹوں پر
 ہائے افلاس، وائے ناداری
 اللہ اللہ، کراہنے کی صدا
 ذرہ ذرہ تھا لرزہ بر اندام
 محو تبسح تھا بصد پندار
 اُس طرف ایک عابدِ مغرور

اعبد ذلیل	اس طرف، عاشقِ خدائے جلیل
رد و بیماری	اس طرف بے نیازیاں طاری
کا کا تھا جوش	اس طرف بھتی ضخامتِ تن و توش
پہ جامہ تار	اس طرف جھجھکتہ و دستار
نغمہ واں کاٹھی	اس طرف بھتی گنتی ہوئی داڑھی
ہاکی یہ صدا	قطرہ، پانی کا، صرف اک قطرہ
اُدھر طوفاں	نعرہ "یا عفو" و "یا رحماں"
، "پناہ پناہ"	اس طرف بار بار "الا الہ"

اے خدائے بزرگِ ذوالاکرام

نیرے محبوب پر درود و سلام

ہے یہ ہی مقصود	رحم کی راہ، دل پہ ہو مسدود؟
ہے کہ بعدِ وضو	برف ہو جائے عابدوں کا لبو؟
مین دایماں کا	دل ہو مہرہ بساطِ شیطان کا؟
تے کی تخیل	دل کو کرنی ہے سنگ میں تبدیل؟
یہ پار سانی کا	خاک دعوے کرے خدائی کا؟

موسم گل، خزاں کی رُت بن جائے بت شکن خود ہی ایک مُبت بن جائے
ذوقِ تقویٰ میں نل کا نام نہ آئے
آدی، آدی کے کام نہ آئے

مولوی

ہوئی اک مولوی سے کل ملاقات
وہی، ہوں گے جو فردِ بینائیں میں
عمامہ برسرِ مسواک درجیب
خا سے ریشِ سُرخ، آنکھوں میں سُرمہ
جھکے شانے پہ چو خانے کا رومال
کشاوہ صدر، اور کوتاہ گر دن
لٹیں بکھری ہوئی، آنکھوں پہ عینک
عباعتاب گوں، دھانی عمامہ

شبیبہ قُبَّہ و تصویرِ منسبہ
خدا کے فضل سے حوروں کی شوہر
اُٹنگا پابجائے، دلق دربر
لٹیں ہکی ہوئی، زلفیں محطد
عبا کے بند میں تسبیحِ احمر
شکم پُر رعب، قد رشکِ صنوبر
لبیں ترشی ہوئی، داڑھی شکم پر
گلوری مَنہ میں، لب خونِ کبوتر

کمر کا گھیر، اک سٹا سمندر
 خدا کے عشق میں، وہ دیو پیگر
 خدا کے خوف سے چہرہ "گل تر"
 درود با صفا، ہونٹوں کا پوڈر
 حدیثیں برزباں، قرآن ازبر
 حنائی ریش، مٹھی میں پکڑ کر!
 زباں، آئینہ خُلقِ پمیر

ں میں ہنگام تبسم
 مکیں، اللہ اکبر!!

فتاۃ

معصیت کی، گناہ کی دُنیا
 یاں تو کُل ہے حرص کا یابند

یاں تمناعت سے عارفانِ خدا
ہر ادا میں ہے تا جرانہ کمال
یاں خودی کا لقب ہے ”یا دِ خدا“
دل سے ہے بتدرسمِ دراہ یہاں
جمع کرتے ہیں یاں زردگوہر
ہات آتا ہے روزِ گنجِ خطیر
یہیں اہلِ صلوة واصلِ وضو
یاں بہت کمال آتے ہیں
ڈھول کی گت یہ قص ہوتا ہو
یاں زرد مال دینے آتے ہیں
زہد میں ایک صحیح ہے مستانہ
از پئے حرص و آرزو نامسعود
ہر حکایت ہے یاں زردگوہر
سجہ نگر سنہ کا ہر دانہ
یاں دعاؤں کی فیس ملتی ہے

کام لیتے ہیں سکہ سازی کا
ہر بُن مو ہے ایک دستِ سوال
”تزکِ دنیا“ کے بھیس میں دُنیا
صرف جیبوں پہ ہونگا ہیہاں
جاہلوں کو اجل سے دھمکا کر
”ذکرِ دوزخ“ ہو اس جگہ ”جاگیر“
چوس لیتے ہیں حق سقوں کا لہو
ہات چلتے ہیں، حال آتے ہیں
نغمہ چاندی میں ہات دھوتا ہو
لوگ، اولاد لینے آتے ہیں
یاں برستا ہے ”ابرِ نذرانہ“
سرِ بزانو ہے یاں کوکبِ سجود
خلد ملتی ہے یاں کرائے پر
کہہ رہا ہے غذا کا افسانہ
زرِ ملے تو زبانِ ہلکتی ہے

یاں مجالس میں بہر دل اری جلتی ہے شمع حسنِ بازاری
ایک دریائے ناز بہتا ہے امردوں کا ہجوم رہتا ہے
پھول چڑھتے ہیں خارزاروں پر سجدے ہوئے ہیں یاں مزاروں پر
ہو یہاں کفر خیز و شرک پناہ نعرۃ لا الہ الا اللہ
یاں کے ذرے نہیں بگینے ہیں یاں مقابر نہیں، دھینے ہیں
جامہ فقر ہو چکا ہے رکیک مانگتی ہیں یہاں عبائیں بھیک
صورتیں، غرقِ خود مانی ہیں داڑھیاں، کاسۂ گدائی ہیں

کون بہتر ہے، ایزد باری!
ان کا تقوٰے کہ میری میخواری؟

شیخ کی مُناجات

اے خدائے بزرگِ رزقِ کشا رکھ سلامت مری عبا و قبا
تیرے بندوں میں ہیں جو صاحبِ دل میری آگے جھکا دے ان کے سر

کبھی ہونے نہ دے یہ مطلع صاف
 اپنی مخلوق کو جب ، داور !
 قوم میں ہیں جو کستہ و برتر
 مجھ کو ملت سے غدر ہی منظور
 دل سے محکومیوں پہ مرتا ہوں
 جب میں ہو فساد سے معسور
 اُن مواقع پہ جب قرض جہاد
 سختیاں امر حق کی میں جھیلوں !
 کب بھلا جان دینے والا ہوں
 کیوں نہ ایماں ہو جان پر قرباں
 ہاں ، مجاہد میں ہو نہیں سکتا
 میرے ہر عیب کو ، نہر کر دے
 دے مرے رُخ کو حصولِ الہام
 حُسن تو خالقِ کمال ہے پھول
 مقفیروں پر جلال برسا دے

میرے ہی صُرف میں ہیں اوقات
 میرے تحوید اور گنڈے پر
 سب پہ چھا جائے میرا چھو منتر
 حاکموں کے عتاب سے رکھ دو
 حاکموں سے بہت میں ڈرتا ہوں
 مجھ کو اصلاح پر نہ کر مجبور
 مومنوں کو نہ آئے میری یاد
 دیکھ تو ، کتنا نرم و نازک ہوں
 میں ترانام لینے والا ہوں
 کیونکہ موجود ! تو ہی میری جاں
 بات سے تنجھ کو کھو نہیں سکتا
 میری وارطی دراز تر کر دے
 اور مریدوں کو تحفہ ادا ہم
 عورتوں میں کچھ اور کر مقبول !
 میرے عرسوں پہ حالِ نساے

میری بیری میں زور رہنے دے چنم عالم کو، کور رہنے دے
 دے مجھے جملہ بے کمالوں کو عقل سے دُور رہنے والوں کو
 بانِ الہی جو پیٹے ہیں ! سب وہ درویش کے چہیتے ہیں
 عقل کی جن پہ بند ہیں اہیں وہ بشر ہیں مری چسدا کا ہیں
 ہر چہرہ گاہ ان میں لے اللہ ! لہلہاتی رہے یہ عزت و جاہ
 جن کو سلام کا سبق نہ ہویا کرا نہیں خوب صاحبِ اولاد
 خوب چکا مری حق آگاہی بیوقوفوں کو بخش دے شاہی
 ابلہوں کو مرے نہ پہنچے گزند بچھ کو اہل بہشت کی سوگند
 ان پہ چلتی ہیں میری تدبیریں یہ ہیں بندے کی زندہ جاگیریں
 سُن مری بات میرا کہنا مان یا عفو الرحمن ! یا رحمن !
 گردنوں کے پھر اینو لے بھیج بھیج ، ضر میں لگانو لے بھیج

اہل زر کو کسی بہانے بھیج !

سانس لیتے ہوئے خزانے بھیج !

غزل گوئی

آبتاؤں میں تجھے لے طالبِ اہِ تو اب
یہ لقب پھینتا ہر اُس روشن گرا دراک پر
آسمانوں کو جھکا رکھا ہو جس کے بام نے
جس کے دفر میں ہو اس کے عہد کی ہر ایک بات
جس کے دل میں ہر نفسِ نغمہ کی کلیاں سی گھلیں
راہِ کا ذرہ ذرہ جس کو دیتا ہو صدرا
جتنے لاتعداد پہلو ہیں حیات و موت کے
قلبِ عارف کی طرح روشن ہو جی بال بال
جو اک ایسا آئینہ ہو شاہراہِ وقت پر
ناپے جس کی نظر ارض سما کا عرضِ طول
مہرِ بجز جس کے ہر نقطے سے جھلکے اُس کا نام
روز و شب مجبور ہو جو سیر کرنے کے لئے

کر کس دینا چاہتے دنیا میں شاعر کا خطاب
عرش کی پرچھائیاں جو دیکھتا ہو خاک پر
وقت کے جاوے کی ہو ہر طور جس کے سامنے
موسم و ماحول راہ و رسم آئینِ حیات
جس کے دل کے تار ہر ادنیٰ سی جنبش سے ہلیں
”نظم کرتا جا مجھے بھی شاعر نہ گیں نوا“
شعر بننے کیلئے درخواست دیتی ہوں جسے
جس کے جذبے ہوں قیامت کے سرِ یخِ اشتغال
چہرہ ہستی کو خالِ خطا ہوں جس میں جلوہ گر
اپنی خوشبو جس کو قلبِ تخم سے پہنچاؤ پھول
جس کی سیرت کو مدون کر سکوں اُس کا کلام
ہر نفسِ اک آدمی تو سے گزرنے کے لئے

فکر کی کشتی کو جوئے روح میں کھینتا ہو جو
 جس کا دل ہو درحقیقت وہ رصد گاہ عظیم
 اُڑ رہا ہو جس کا پرچم آب و گل کے قعر پر
 چند شعبوں ہی میں گم ہو نہ پائو جسکی ذات
 گھائیوں میں گونج کر ہتھانہ ہو جس کا پیام
 یہ اگر شاعری ہو تعریف لے اہل جہاں
 رنگ و بو، آب و نمک، نور و ضیا کچھ بھی نہیں
 ان غزل گوئیوں کا ہی معشوق ایسا ناز نہیں
 یہ فقط رسمی مقلد و اہم و فرہاد کے
 ان کی سیرت ہو انوکھی، ان کی غیرت ہو غیب
 آجنگ غالب ہے، ان پر وہ رقیب و رسیا ہ
 پائی ہو تر کے میں ان لوگوں نے ہرے ہر صدا
 ان کی حالت وہ ہے جیسے کوئی بڑول خواب
 اور گھر کے جس قدر پہچو جواں ہیں زور زو

زندگی کے قلب کی ضربوں کو گن لیتا ہو جو
 جو ہو فطرت کی ہر اک کروٹ کا سحر از و تیکم
 جس کی بنیا انگلیاں رہتی ہوں نبض عصر پر
 جس کا موضوع سخن ہو کل نظام کائنات
 جو پہاڑوں کی بلندی سے سناٹا ہو کلام
 قابلِ ماتم ہیں اُردو کی ہتی و امانیاں
 چند نرم و گرم غزلوں کے سوا کچھ بھی نہیں
 نام جس کا دفتر مردم شماری میں نہیں
 مر رہی ہیں آج تک معشوق پر اجداد کے
 گرٹ نہیں جاتے جیسا یہ آب و جد و رقیب
 کر چکا ہے زندگی جو میر و مومن کی تباہ
 ان کے لب پر بھی وہی ہے جو دلی کو لہجہ تھا
 ”چور آیا، چور آیا“ کہہ رہا ہو چونک کے
 اپنے اپنے بستروں پر چھپتے ہوں ”چور چور“

ان کے دل میں شہر کی روشن ہو کس صورت سے آگ
 قافے کے ہاتھ میں رہتی ہو جن لوگوں کی باگ

جس طرح معنی کے انگاروں سے آئینہ اٹھے وہاں
شعر ان کے محض ذرے ہیں کبھی، تارے کبھی
شاعری ان کی نہیں ہمارے شہنشاہی
سلسلہ ان کے سخن کا دور تک ہوتا نہیں
سر سے پاتک بے سکر ہیں، سرسبز تال ہیں

جس جگہ لفظوں کی سیلی لکڑیوں کا ہودھواں
تین کانے ہیں کسی موقع پہ، پو بارے کبھی
دیر تک چلتی نہیں الفاظ کی بازیگری
کون ہے ان میں جو بالآخر "گڑک" ہوتا نہیں
حقیقی شاعروں کے اصل میں نقال ہیں!

قلب ان کا قطرہ شبنم تو ہے چھالا نہیں
کوئی ان میں زندگی کا دیکھنے والا نہیں

خاتون مشرق

غنیہ بول مرو کا روز ازل جب کھل چکا
دفعۂ گونجی صدا پھر عالم انوار میں
عورتوں کا کارواں پرکارواں آنے لگا
ناز سے خوریں ترانے حمد کے گلے لگیں

جس قدر تقدیر میں لکھا ہوا تھا بھل چکا
"عورتیں دنیا کی حاضر ہوں مرد و باڑیں"
پھر فضا میں پرچمِ انعام لہرائے لگا
عورتیں بھر بھر کے اپنی جھولیاں جابڑ لگیں

جب رہا کچھ بھی نہ باقی کیسہ الغام میں

کا پنتی حاضر ہوئیں پھر ایشیا کی عورتیں

دل میں خوفِ شومیِ قنمت سے گھرائی ہوئی رعب سے بچی نگاہیں، آنکھ شرمائی ہوئی

رحم کے سانچے میں رُوحِ ناز کو ڈھال ہوئے گردنوں میں خم، سروں پر چادریں ڈالے ہوئے

آخر اس انداز پر رحمت کو پیسا آ ہی گیا

میکدے پر هجوم کہ ابر بہا آ ہی گیا

مسکرا کر خالقِ ارض و سما نے دی ندا لے غزالِ مشرقی آ، تخت کے نزدیک آ!

نعمتیں سب بٹ چکیں، لیکن نہ ہونا مضحکہ سب کو بچنے ہیں مانع، اور لے تجھے دیتے ہیں دل

یہ وہی دل ہے جو مضطر ہو کے سوز و ساز سے میرے پہلو میں دھڑکتا تھا عجب انداز سے

تجھ کو وہ رُخ اپنی سیرت کا دیئے دیتے ہیں ہم جس میں یزدانی لسانیت کی زلفوں کے ہیں خم

آ! کہ تجھ کو صاحبِ مہر و وفا کرتے ہیں ہم لے خود اپنی جنبشِ مرگاں عطا کرتے ہیں ہم

پہلوئے خاتونِ مشرق میں بصدِ تمکینِ ناز

مُستقل ہو جا الوہیت کے سینے کے گداز

عورتیں اقوامِ عالم کی بھٹک جائیں گی جب تو رہے گی بن کے اس طوقاں میں اک موجِ طرب

حُسن ہو جائے گا جب اوروں کا وقفِ خاص و عام دیدنی ہو گا نرے خلوتِ کدے کا اہتمام

یہ ترے ماتھے کی بیندی صبح کو ستر مائے گی
 اپنی آنکھوں کی لگاوٹ، اپنے رخساروں کی رنگ
 اور تراشیج ہوگا صرف شوہر کی نگاہ
 عورتیں اولاد کے پیدا نہ ہونے کی دُعا
 آج آئیگی نہ تیرے مادرانہ ذوق پر
 جب فغاں بے تربیت اولاد کی ہوگی بلند
 سینہ اطفال میں پیدا کرے گارُوح پاک
 جس کے شعلوں سے نکھر جاتا ہو رنگ نوہال
 بخشی ہے نسلِ انسانی کے پہلو کو جو دل

وہ بھی دن آئیگا جب تجھ کو ہی از مستِ حجاب

زیب دیگا "مادرِ اولادِ آدم" کا خطاب

صرف اک تو اس طلاطم میں رہو گی پاکباز
 تیرے رُخ پر ایک بھی ہوگی نہ ماضی کی خراش
 تیرے سینے میں کسی شب کا نہ ہوگا کوئی راز
 حال سے تو ہوگی راضی، خوفِ مستقبل سے دُور

عالمِ نسواں پہ کالی رات جب چھا جائے گی
 عورتیں یچیں گی جب اسٹیج پر بارقص و چنگ
 اُن کے آگے ہر نیا میدان ہوگا جلوہ گاہ
 گودیاں پھیلا کے جب مانگیں گی باصدق و صفا
 مردہ باد اے ایشیا کی دُخترِ پاکیزہ نرا
 ماؤں کی غفلت سے جب بچوں کو پہنچے گا گزند
 صرف اک تیرا تبسم اے جمالِ تابناک
 وہ حرارت تیرے ہونٹوں کی نہ ہوگی پائمال
 وہ تری معصوم رعنائی نہ ہوگی مضحکہ

جب کرے گی صنفِ نازک اپنی عربانی پہ ناز
 اُن کے دل جب ہونگے یادِ معصیتِ پاش پاش
 ان کی رائیں خوفِ رسوائی سے ہونگی جب دراز
 دہشتِ فردا سے بھڑلے گا جب اُن کا غرور

بب اڑے گی ان کی چشم دم پروردہ میں خاک
نرم ڈورے تیری آنکھوں کے رہیں گے تابناک
رم ہوں گے تیرے جلوے بھی، تری گفتار بھی
باجیا ہوگی تری پازیب کی جھنکار بھی

چھاؤں بھی ہوگی نہ تیری بزمِ نادِ نوش میں

تیرا پر تو تک رہے گا شدم کے آغوش میں

ے شعاعِ ارضِ مشرقِ تیری عفت کا شعاع
کچ کرے گا ملک و ملت کی کلاہِ افستار
برو ہو گا گھرانے بھر کی تیرا رکھ رکھاؤ
دے گا تیرا باپ شانِ فخر سے موچنوں پہ تاؤ
ری آنکھوں کی کرن سے لے جہانِ اعتبار
جگ گائے گی نسب ناموں کی لوحِ زرنگار
الہوس کا سر جھکا دے گی تیری ادنیٰ جھلک
ہوگی لہجے میں تری نبضِ طہارت کی دھمک

تیری پیشانی پہ جھلکے گا مثالِ برقی طور

طفل کا نازِ شرافت اور شوہر کا غرور

م سے ہر چند تجھ کو کم کیا ہے بہرہ مند
لیکن اس سے ہو نہ لے معصوم عورتِ ادر مند
ب ضرورت سے زیادہ ناز فرماتا ہے علم
عارضِ تاباں کے بھولے پن کو کھا جاتا ہے علم
ق ہو جاتا ہے علمی اصطلاحوں سے اُداس
لعل لب میں شہد کی باقی نہیں رہتی مٹھاس
اٹھا لیتا ہے بزمِ جاں سے شمعِ اعتقاد
خال و خط کی موت ہے چہرے کی شانِ اجتہاد
و حشت کی طرف مڑتی ہے اکثر راہِ فن
جھانکھی رہتی ہے اس غُرفے سے چشمِ اہر من

چھوڑ دیتی ہے تکلم کو ملام قیل و قال
 علم سے بڑھتی ہے عقل، اور عقل ہے وہ بدعا
 علم سے باقی نہیں رہتے محبت کے صفات
 دیکھتے تھے پر علم کی بھرپور پڑ جائے نہ ضرب
 علم سے رہتی ہے پابند شکن جس کی جبین
 وقت سے پہلے بلا لیتے ہیں پیری کو علوم
 جن لبوں کو چاٹ پڑ جاتی ہے قیل و قال کی
 اک جنوں پر ور جو لا ہے وہ علم بے وثوق
 دور ہی سے لیے علم جہل پر ور کو سلام
 جس جگہ حور ان جنت کا کیا ہے تذکرہ
 تذکرہ حوروں کا ہے محض ایک تصویر جمال

علم کا حد سے گذر جانا ہے تو بہن جمال
 جو بچھا دیتی ہے سینے میں محبت کا چراغ
 اور "محبت" ہے فقط لے دے کتیری کائنات
 بھاگ اس پردہ میں ایشیاں کے آلات حرب
 تاز سے شانوں پر اسکی زلف لہراتی نہیں
 عمر سے آگے نکل جاتے ہیں چہرے بالعموم
 ان کی گرمی کو ترستی ہو جیں اطفال کی
 جس کی رومیوں کا پنپنے لگے ہوں شوہر کو حقوق
 حُسنِ نسواں کو بنادیتا ہو جو جاگیرِ عام
 کیا کہا ہے اور بھی کچھ مفرجِ جن و حیا؟
 مہنم کیا ان کو کہا ہے، صاحبِ فضل و کمال؟

بیچ ہے ہر چیز زیور، غارہ، اقبال، رنگِ خال

حسن خود اپنی جگہ ہے سو کمالوں کا کمال

علم کا ان نرم شانوں پر کوئی رکھتا ہے بار؟
 کیا کوئی اور انی گل پر طبع کرتا ہے کتاب؟

چاندنی، قوسِ قزح، عورت، شکوفہ، لالہ زار
 روشنائی میں کہیں گھلتی ہی موجِ ماہتاب

”کاکلِ افسانہ“ ہو ”دوشِ حقیقت“ سے دو چار
 علم سے بن جائے اقلیدس کا عوض ایک انرا!
 اور بن جائے لغت، یا دفترِ علمِ حساب
 بزمِ کاوش میں جلے شمعِ شبستانِ حیات
 غنچہ نورس کا طاق، اور پیرِ مکتب کا چرخ
 موتیوں پر ثبت ہو طوفان کی مہجِ لال!
 درس دیں موجیں صبا کی گنگنانے کے عوض

میرے عالم میں نہیں اس بد مذاقی کا شعار
 حسن کا آغوشِ رنگیں، دلفریب و دلِ بُا
 مصحفِ رونے کتابی روکشِ نازِ گلاب
 نعمتِ شیریں کے دامن میں ہشورِ کائنات
 گرم ہو تیزاب کی کھولن سے لالچ کا یا غ
 شہپرِ بلبل پہ کھینچی جائے تصویرِ شغال!
 صبحِ غرقِ بحث ہو، غنچے کھلائے کے عوض!

تو نہ کرنا مغربی متوالیوں کی ریس، دیکھ!

گھات میں تیری لگا ہے فتنہِ ابلیس، دیکھ!

کو کھتا ٹھنڈی رہ بجوں سے اور صندل سے مانگ
 یہ مجسم ہو گئے ہیں کچھ گنہ گاروں کے خواب
 عورتوں کے بھیس میں شیطان کی سرتابیاں

تو نہ اُن کی طرح بھرتا عرصہٴ فن میں چھلانگ
 دخترانِ مغربی کو دے نہ عورت کا خطاب
 پھر رہی ہیں یا تری نظروں کے آگے پُر فضا

علم حاصل کر فقط تدبیرِ منزل کیلئے

وہ دماغوں کیلئے ہیں اور تو دل کے لئے

خاتونِ مغربہ

جب ضمیرِ حق میں انساں کا ہیولیٰ بن چکا
اور عورت کو بنایا اک سُبکِ رو نہر سے
مرد کو تحفے میں دی شمشیر و تدبیرِ حیات
راستے میں مرد کے ڈالے گئے تیغ و تبر
مرد کے اعضا کو بخشا سنگ و آہن کا جلال
مرد کو بخشا لہو و اندر دہ میدانِ جنگ
اُس کو بخشی سنگ کی تعمیر، صرصر کا جلال
اُس نے صولت پائی، اُس نے جلوۂ منظر از
اُس کو طبلِ جنگ کا ہنگامہ و ہشت فزا
اُس کو طوفاں کا دبیداری، اس کو خوابِ خیال
اُس کو شانِ نہر، اس کو جلوۂ ماہِ منیر
اُس کو تاجِ غنوی، اس کو خمرِ زلفِ ایاز

مرد کو فصلِ خزاں کی دھوپ نے پیدا کیا
موسمِ گل کی معطر چاندنی کی لہر سے
اور عورت کو چراغ و ربط و قند و نبات
اور عورت کی طرف پھینکے گئے کلبرِ گِتر
اور عورت کو صبا کا لوح، شبنم کا جمال
اور عورت کو ملا پگھلے ہوئے سونے کا رنگ
اور اسے طبعِ حریر و مستی بادِ شمال
اُس کو محنت دی گئی، اُس کو محبت کا گداز
اُس کو ہلکی نرم کلیوں کے چپکنے کی صدا
اُس کو چہنمِ ضعیفِ شاہیں، اسے چشمِ غزال
اُس کو سنگِ آشوبِ تیشہ، اس کو قصِ جئے شیر
اُس کے ماتھے کو شکن، اس کے لبوں کو موجِ ناز

اُس کو چھانٹا زخمِ دندانِ طلاطم کے لئے
 اُس کو رکھا پاک بچوں کے تبسم کے لئے
 اُس کو شورِ حرب، اُس کو شوخیِ گفتار دی
 تیغ کی اُس کو، اسے پازیب کی جھنکار دی
 مرد کے زانو کی جنت بن گیا عورت کا سمر

کچھ دنوں چلتی رہی دُنیا اسی انداز پر

لیکن اک شبِ دفعۂ تاریکیوں کے درمیاں
 جب فرازِ چرخ پر منڈلا رہی تھیں بیاں
 تنگ تھا دُنیا کے ننھے سے کُرہ کا عرضِ طول
 ہو رہا تھا چرخ سے آوہامِ باطل کا نزول

رات یوں تاریک تھی جس طرح مجرم کا ضمیر

سُر کیا شیطان نے عورت کی جانب ایک تیر

سُرخ تیرا ضررِ تاریکی میں ستاتا ہوا
 آتے ہی عورت کے سینے میں ترازو ہو گیا

تیر کھانا تھا کہ رُوحِ نازِ بل کھانے لگی

مرد بننے کی تمتِ دِل کو تڑپانے لگی

دی صدا عورت نے اِس نرمی کو کھونا چاہئے
 مرد کا مدِّ مقابلِ مجھہ کو ہوتا چاہئے

ناز کی ہے اک اہانتِ آفریںِ افتادگی
 مسکراتی ہوگی میری لوحِ پر مردانگی

ابنِ آدم کی مٹادیں نازشِ تاب و تواں
 مرد بن جائیں اگر حوا کی نازک بیٹیاں

ماورِ عالم کے غنچوں کو بھی کھلنا چاہئے
ہم کو بھی حقِ مرد کے مانند ملنا چاہئے

روح پر عورت کی یہ دیوانگی جب چھا گئی
آئی اور خم ٹھونک کر آئی مثالِ پہلوں
تو سحر ہوتے ہی وہ مردوں کی صف میں آ گئی
پنڈلیاں گھومی ہوئی، شانوں کی بھری پھلیا
اب ہے وہ دُنیا کی ہر داندہ ورزش میں شریک
تن کے کہتی ہے کہ دکھو زن سویوں بنتے ہیں مرد
باگ پر ہے بات، اور ترشی ہوئی زلفوں پہ گرد

لیکن اس دریا میں ہر زہر آب کی بھی ایک معج
کس گراں قیمت پہ عورت فی خرید ہے یہ افج

اپنے سینے کا خزانہ، اپنی فطرت کا جمال
کرچی ہے بے طرح محروم چشمِ التفات
مرد بننے کی ہوس میں کر دیا ہے پامال
اپنے اس شیریں تبسم کو کہ تھا اک کائنات
یوں ہوا آمادہ فطرت سے بغاوت پر شباب
زلف چھوٹی ہو گئی اور دست و پا کھنچ کر طویل
جذبہِ مردانگی نے پڑھ کے تلواروں سے ملی
جلد کی سختی کے اندر لوچ پنہاں ہو گیا
جنتِ ارضی کو دوزخ کا نمونہ کر دیا
پڑ گئے رضا پھیلے جل گئی چہرے کی آب
بُجھ گئی برنائی، روڑھا ہو گیا روئے حبیل
جُبشِ مڑگاں کی موسیقی تبسم کی کلی
ایک سیٹھا پن سا ہونٹوں پر نمایاں ہو گیا
چشمکِ بیباک نے آنکھوں کو سُونا کر دیا

جام زریں کی کھنک گم ہو گئی گفتار سو
ابر کی سی شوخیاں بجاتی رہیں فتار سے
ہو گیا سنگِ خرد و شیشہ بھول پین کا چور
مر گیا دیدوں کا پانی، اڑ گیا چہر کیا نور
بن گئی الفصہ اک ایسا سوالِ ناصواب
عشق کے ہوتوں سول سکتا نہیں جبر کا جواب

نازکی، عزت، محبت، آبرو کچھ بھی نہیں
نام تو ہے پھول، لیکن رنگِ دلو کچھ بھی نہیں

بلوچ حیات

ک زمانہ دو کھی تھا لے دوستانِ باصفا
اب سار ہتا تھا میری روض پر چھایا ہوا
یش، رسمِ دشمنی پر طیش آتا تھا مجھے
غصہ انگاروں پہ راتوں کو ٹٹانا تھا مجھے
مانے آتی تھیں جب انسان کی عیاریاں
اُڑنے لگتی تھیں مرے انفاس سے چڑگا ریاں
کھینتا تھا جب کبھی ناپاک یاروں کا بطون
ابتداء میری آنکھوں میں اُتر آتا تھا خون
وڑتی تھی دوستی جب دشمنی کی سمت باگ
میری افغانی رگ دپے میں بھرک اٹھتی تھی آگ
کھینتا تھا جب کبھی ظلم و ستم اجباب کا
دل میں کھنچ آتا تھا سب لہام مرے اعصاب کا
وجہ پر جب ڈالتی تھیں سازشیں پر چھائیاں
میرے احساسات کے سینے سے اٹھتا تھا دھواں

شیشہ دل پر گرا دیتے تھے جب اجاب سنگ
 ہر نفاق و بغض پر خود سے گزر جاتا تھا میں
 زندگی جب بحر نفرت میں ڈبوئی تھی مجھے
 جب حریفوں کی حد کوشی کو پا جاتا تھا میں
 بغض ٹھکانا تھا جب آکر دل حق کوشش سے
 دوستی سے دشمنی کا جب پہنچتا تھا پیغام
 راگنی کو بوجھنے لگتا تھا جب سچی تانت
 دیکھتا تھا آدمی کو جب دناست کا شکار
 دل یہ کہتا تھا کہ ہر سینے میں خنجر بھونکے دوں
 زندگی کی موج میں زہر لاهل گھول دوں
 ذبح کر دوں، قتل کر ڈالوں، سر ٹکڑیوں دوں
 خون کی پیاسی زمیں کو آدمی کا خون دوں
 قبر بن کر میں جو اپ فتنہ ابلیس دوں

گو بج اٹھتا تھا مری ہستی کے اندر طبل جنگ
 گو بجتا تھا، گرم ہوتا تھا، بپسہ جاتا تھا میں
 سانس میں اک آنچ سی محسوس ہوتی تھی مجھے
 چوٹ کھانے اڑدھے کی طرح بل کھاتا تھا میں
 ٹوٹل پڑتی تھی میسرے سینہ پر جوش سے
 ہونکنے لگتا تھا میسرے دل میں شیر انتقام
 مٹھیوں کو بند کر کے پینے لگتا تھا دانت
 اینٹھنے لگتی تھیں گردن کی رگیں بے اختیار
 خلق کو بھڑکے ہوئے دوزخ کے اندر جھونک دوں
 جی میں آتا تھا کہ توپوں کے دہانے کھول دوں
 ہمتوں کو پست کر دوں، گردنوں کو توڑ دوں
 خاک کر ڈالوں، بھسم کر دوں، جلادوں بھون دوں
 دفن کر دوں، مہرہ کر ڈالوں، رگڑ دوں پیس دوں

== (۲) ==

آنکھ چپکانے لگے دل میں رموز کائنات

لیکن اس مدت میں جب بالغ ہوئی میری حیات

دیکھتا کیا ہوں کہ ماحول و وراثت کا جُؤا
 فطرت و طینت، سرشت و تربیت، طبع و ضمیر
 کیا جہالت تھی کہ کھاتا تھا بشر پر بیچ و تاب
 جس کے افسانے کا ہے عنوان آدم کا ہبوط
 پھول، انگاروں پہ راتوں کو کھاتا تھا مجھے

نوح انسان کے سبک شانے پہ ہر رکھا ہوا
 ایک انسان اور اتنے قید خانوں کا اسیر
 حد سے اس معصوم کو دیتا تھا "حجر" کا خطاب
 جس کی پیشانی پہ ہیں جبرِ مشیت کے خطوط
 حیف اس مظلومیت پر تاؤ آتا تھا مجھے

== (۳) ==

اب مرا عیظ و غضب اپنے سے شرمانے لگا
 بھید پاتا تھا کہ دل سے عیظ کم ہونے لگا
 مجھ کو انسان کے گناہوں پر "ترس" آنے لگا
 آدمی کی بے نوائی دیکھ کر رونے لگا

== (۴) ==

اور جب اس سے بھی کچھ گہری نظر جانے لگی
 غصہ رخصت ہو گیا، آنسو ٹپک کر بہہ گیا
 مجھ کو انسان کی خطاؤں پر "ہنسی" آنے لگی
 صرف اک ہلکا سا ہونٹوں پر تبسم رہ گیا
 بیقراری کے عوض دل کو فدا کرنے لگا
 نوح انسانی کی "گمراہی" پہ پیار آنے لگا

== (۵) ==

آگ تھی غصے کی پہلے زندگی کی خاک میں
 اور اب موجِ تبسم ہے لپ خاموش پر
 پھر سب اشکوں کا پانی تھا دلِ غمک میں
 لے خدائے نادرِ دوزخ! رحم فرما جو شش پر

اے خطاکاروں کے صالح، اے جہنم کے الہ !
 "بندہ" ہو کر جوش تیری خلق کا ہے خیر خواہ
 پھر سے اس "معصوم مجرم" کو ستایا جائیگا؟
 آہ میں افسردہ دل کس سے کہوں یہ واردات
 کیا غریب انسان دوزخ میں جلایا جائے گا؟
 کس قدر شائستہ رحمت ہے انسانی حیات

== (۶) ==

اے حقیقت بین نگاہو، مر جا صد مر جا
 گلشن اسرار کی آنے لگی دل تک ہوا
 تم نے اک بے آب پتھر کو نگینہ کر دیا
 ایک پامال جنوں اندھے کو بینا کر دیا

== (۷) ==

اے حریفو، دشمنو، یارو، عزیزو، دوستو!
 اک نرالی بات کہتا ہوں سُنو اور درس لو
 غیظ و غم، خوف و خطر، بیم ورجا کچھ بھی نہیں
 میرے دل میں اب محبت کی سوا کچھ بھی نہیں
 اب کوئی تم میں سے دل میرا دکھا سکتا نہیں
 اب قدم راہِ وفا میں ڈگمگا سکتا نہیں
 اک نیا احساس اس سینے میں اب پاتا ہوں میں
 دشمنی کرتے ہیں دشمن، اور شرماتا ہوں میں

بے کس و مجبور انسان کو دُعا دیتا ہوں میں
 وار کرتا ہے کوئی تو مُکرا دیتا ہوں میں

سونے کی تلوار

کل پھر رہا تھا صحنِ چین میں کشاکش
اپنی ادھیر زوجہ کو ہمراہ اک جواں
شوہر کی بے وسیلہ جوانی پر الاماں
بیوی کے مالدار بڑھاپے کی سختیاں

بے مال و زار شباب کا تھا شیب پر مدار

تھیں مجھڑیاں جو زوجہ کی چہرہ پر پیش فہم
ان مجھڑیوں کی راہ پہ چاندی کو تھئے قدم
شوہر کے عارضوں میں بافراط رنج و غم
سویا ہوا تھا سارِ جوانی کا زیر و کم

گانی ہوئی خزاں تھی، سسکتی ہوئی بہار

پانی کی ایک بوند سے مرعوب تھا ستر
حیراں بشکوہ قطرہ شبنم سے تھا گھر
چھالے کے طعنائیوں پر زراں تھا نیشتر
ذرے پر آفتاب جھکاؤ ہوئے تھا ستر

کمزوریوں کو زور پہ حاصل تھا اقتدار

ٹھنڈی ہوا سو وجہ میں تھی بوج بوتاں
سہارا ہو چلی تھی زمین، پست آسماں
زوجہ کے ساتھ ساتھ تھا شوہر و انماں
اک موڑ پر مڑی ہی تھو دونوں کہ ناگہاں

گدڑی ادھر سے ہو کے اک آئینہ رُونگار

اس طرح ناؤ جیسے کوئی ڈولتی ہوئی ابرو کے بل سے دل کی گرہ کھولتی ہوئی
تلوار سی ہر ایک لچک، تولتی ہوئی گاتی ہوئی ادائیں، نظر بولتی ہوئی
زلفقوں کے پیچ و خم میں لئے موج آبشار

شوہر کی اٹھکے جم گئی اس شوخ پر نگاہ پلکوں نے سکیاں سی بھریں اور نظر نے آہ
چمکی نگاہِ زوجہ میں شمشیر اشتباہ پیدا ہوئی وہ آگ کہ اللہ کی پتاہ
آفت کی کش مکش تھی، قیامت کا خلفشار

رحمت سے آس جیسے گنہ گار توڑ دے کوئی بہک کے ساغر سرشار توڑ دے
گھبرا کے جیسے دم کوئی بیمار توڑ دے جس طرح کوئی جنگ میں تلوار توڑ دے
شوہر نے یوں جھکائی نظر ہو کے شدِ مسار

اتنا ڈر اغریب کہ تپنے لگا جگر بیگانہ وار آنکھ اٹھائی ادھر ادھر
گردنِ احملائی بیوی فی غصے سے دیکھ کر یعنی متاعِ زوجہ نے شوہر کے حلق پر
سونے کی بڑھ کے پھیر دی شمشیرِ آبِ دار

حرف و حکایت

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کا چوتھا اور تان ترین مجموعہ، جو جوش ملیح آبادی کی شاعری کے عروج وارتقا کا علمبردار ہے۔ ”پیروز لیگ“ وہ مشہور و معروف نظم ہے جس کے ”کلم“ میں سال گذشتہ شائع ہوتے ہی ایوان مسلم لیگ میں زلزلہ اُگیا تھا۔ اور حضرت جوش کی مختلف مسلم لیگ کے علمائے کفر کا سرفیٹ عنایت فرمایا تھا۔ اس کے علاوہ ”سادن کے مہینے“ وہ نظم ہے جس کا جواب انگریزی ادب میں فطری شاعری علمبردار و روسورنٹ کے کلام میں بھی نہیں ہے۔ الغرض اس مجموعہ کی نظم بالوں کہنے کہ ہر شعر اُردو شاعری کے دور ارتقا کا زبان حال سمجھا داور رومانیت کا علمبردار ہے۔ اگر حضرت جوش کے کلام کا یہ گراں بہا مجموعہ اب تک آپ کی نظروں سے نہیں گذرا ہو تو سمجھ لیجئے کہ آپ کو معلوم ہی نہیں کہ اُردو شاعر اس وقت عروج کی کس منزل پر ہے۔ اس مجموعہ کی ضخامت تقریباً ۵۰ صفحات، کتابت طباعت دین زب۔ کاغذ عمدہ چمکا۔ اس میں حضرت جوش کا مادہ ترین فوٹو بھی شامل ہے اور ان ظاہری و باطنی خوبیوں کے باوجود قیمت بجلد صرف دو روپے آٹھ آنہ۔

شعلہ و شبنم

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کی پُر جوش اور کیف و لفظوں کا مجموعہ جس میں آپ کو آئینکدے (سیاسیات) کی شعلہ افشائیاں، پہلی شان و حریت خون کھولانے والے واقعات، بادہ سر جوش (غزلیات) کی سمیتیاں اور گلاب فطرت کو روح پرور لہجے اس لہامی زبان میں ملیں گے جس کا جواب اُردو کو کجا دُنیا کی کسی زبان کی شاعری میں بھی آپ کو نہ ملے گا۔ اب اس کا دوسرا اڈیشن نہایت آرتاب سے شائع کیا گیا۔ جلد اُردو بھیجئے تاکہ آپ کو تیسرے اڈیشن کا انتظار نہ کرنا پڑے۔ قیمت بجلد تین روپے۔

نقش و نگار

شاعر انقلاب حضرت جوش ملیح آبادی کے کلام کا پہلا مجموعہ اور ان کی شہرت کا سنگ ڈالین ہے۔ یہ مجموعہ پانچ ابواب پر مشتمل ہے (۱) نگار خانہ (۲) تحریات (۳) تاثرات (۴) مطالعہ و نظر اور (۵) ہنسیب۔ اس مجموعہ کی ہر نظم اپنی جگہ مکمل، مرصع اور کیفیات شعری میں ڈوبی ہوئی ہے اور گو مسکو کُن نغمے دل و مارغ کیلئے ایک مستقل سکون اور روح کیلئے ایک خاص سرور کا باعث بنتے ہیں۔ یہ مجموعہ ۱۹۳۵ء میں چھپا اور ۱۹۳۶ء میں ناپید ہو چکا تھا۔ اب دوسرا اڈیشن خاص اہتمام سے نہایت خوب صورت شائع ہوا ہے۔ قیمت صرف دو روپے بجلد۔

ملنے کا پتہ: کتب خانہ رشیدیہ اُردو بازار دہلی